مسلّط کردہ

جنگ

شیطانی طاقتوں کا منحوس تحفہ

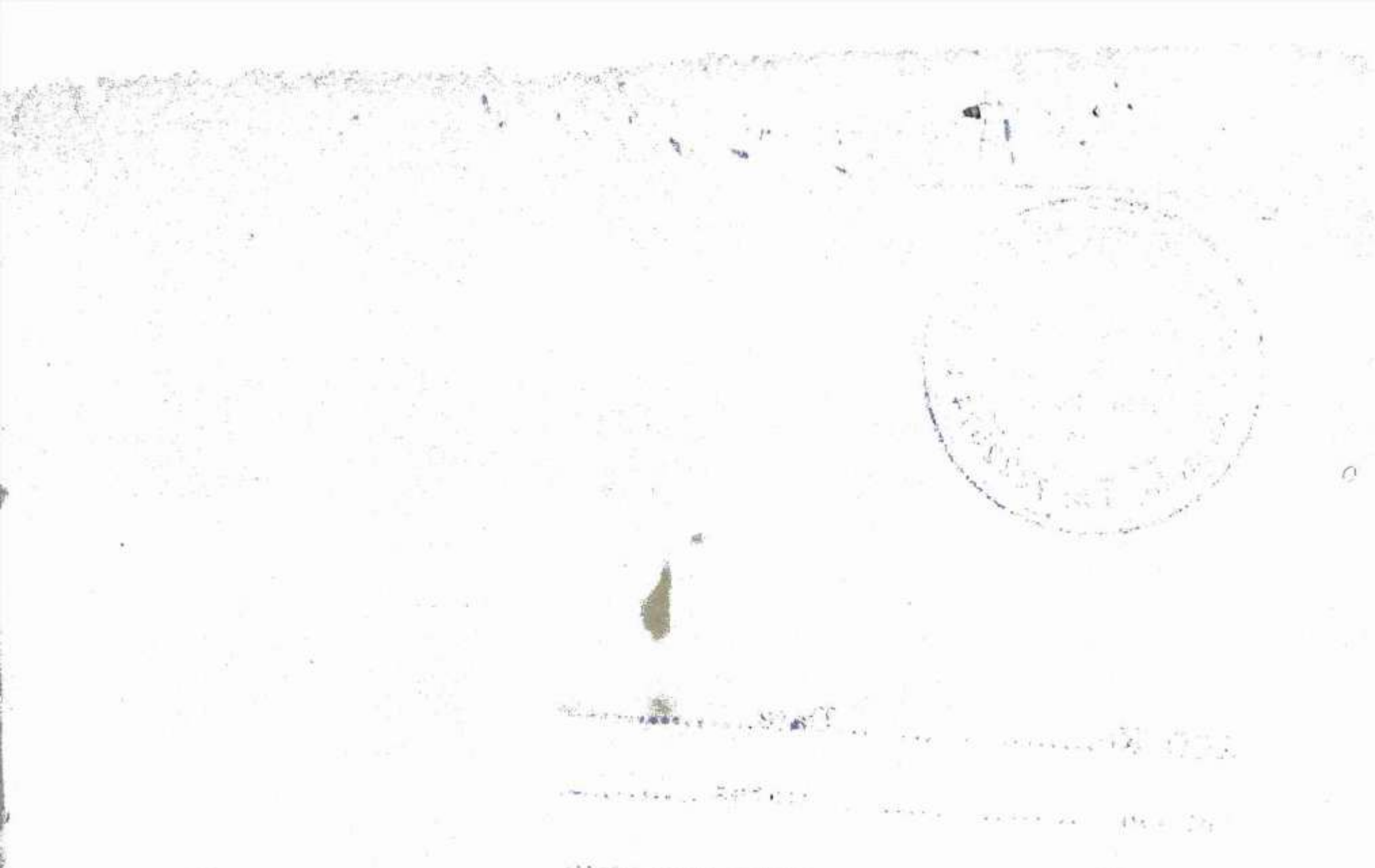

842-A

Najafi Cassette Library
Books Sec.
Bait-ul-Sajjad
Soldier Bazar,
Karachi, Ph: 7222674

ہفتۂ جنگ کی مناسبت سے

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kalich Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan

مسلّط کردہ جنگ

شیطانی طاقتوں کا منحوس تحفہ

نام کتاب ۔۔۔۔۔ "مسلط کردہ جنگ" شیطانی طاقتوں کا منحوس تحفہ

تاریخ اشاعت ۔۔۔۔۔۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۴ء

ناشر ـــــ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران لاہور

پرنٹر ـــــ موسسۃ الرسول الاعظم پاکستان، پوسٹ بکس ۲۴۷۱ لاہور

ـــــ فون:۔ ۳۲۳۵۹۴

842-A
Najafi Cassette Library
Books Sec.
Bait-ul-Sajjad
Soldier Bazar,
Karachi, Ph: 7222574

فہرست عناوین

مقدمہ ۔۔۔۔۔۔ ۵

پیشگفتار ۔۔۔۔۔۔ ۷
چار سال سے مسلط کردہ جنگ کا تجزیہ

فصل اوّل ۔۔۔۔۔۔ ۱۱
جنگ اور اختلافات کے اسباب و علل

فصل دوم ۔۔۔۔۔۔ ۲۹
جنگ اور استعماری طاقتوں کا رویّہ

فصل سوم ۔۔۔۔۔۔ ۴۹
جنگ اور بعثی حکومت کا نیٹو اور وارسا پیکیٹ کے ساتھ ارتباط و اتحاد

فصل چہارم ۔۔۔۔۔۔ ۶۵
جنگ اور جانبدار عرب ممالک

فصل پنجم ۔۔۔۔۔۔ ۷۱
جنگ اور بین الاقوامی معاہدات و قوانین

فصل ششم ۔۔۔۔۔۔ ۸۳
جنگ اور صلح مسلط کرنے کی کوششیں

فصل ہفتم ۔۔۔۔۔۔ ۹۵
جنگ اور اُسکے نتائج

بسمہٖ تعالیٰ

مقدمہ

کتاب ہٰذا ایسے وقت میں چھپ رہی ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف شیطانی طاقتیں کی مسلط کردہ جنگ کو ۴ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہم مقدس اسلامی سرزمین پر عراق پر حاکم بعثی صہیونی حکومت کی جارحیت کے پانچویں سال کے آغاز میں (ہفتہ جنگ) منا رہے ہیں۔

جارحیت اور جنگ کی آگ بھڑکانے کے اسباب و وجوہات یعنی ایران کے اسلامی انقلاب کی نابودی دنیا کے حریت پسندوں اور محروموں پر چھپی ڈھکی نہیں ہے، لیکن چونکہ مشرق و مغرب کی خبر رساں ایجنسیوں نے جو زیادہ تر عالمی امپیریلزم اور صہیونزم سے وابستہ ہیں اور اس زبردستی ٹھونسی ہوئی جنگ میں ان کی کوشش رہی ہے کہ حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے سچے واقعات کو غلط انداز میں بیان کریں بہت سے سیدھے سادے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر لوگوں کے ذہنوں کو اپنے جھوٹے پروپیگنڈوں کی طرف متوجہ کرایا ہے لہٰذا ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ زبردستی مسلط کی ہوئی جنگ اور عراق کی بعثی حکومت کی جنایات اور عالمی استکبار اور علاقہ کے رجعت پسندوں کی طرف سے اس کی حمایت کے بارے میں برصغیر کے مسلمانوں اور مستضعفین کی معلومات و اطلاعات بڑھانے کے لیے تجزیہ و تحلیل اور صحیح معلومات کے اس مجموعہ کو کتاب حاضر کی صورت میں چھپوائیں۔ ہمہ گیر شکل میں چار سالہ جنگ کے تجزیہ و تحلیل ایک کتاب میں کبھی بھی نہیں سما سکتے ہیں۔ لیکن الاھم فالاھم کے اصول کی بنیاد پر اپنی قلیل استطاعت (مجموعہ ہٰذا) کی کوشش کرتے ہیں۔ امید ہے قارئین کرام کتاب کے مطالب سے متعلق اپنے نقطۂ نظر سے ہمیں آگاہ فرمائیں گے

والسلام علیٰ عباد اللہ الصالحین

۲۲ ستمبر ۱۹۸۴ء ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۰۴ ھ ق

خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران۔ لاہور۔ پاکستان۔

IRAN

ایران

IRAQ

عراق

جنگ کے ابتدائی ایام میں جو علاقہ جات
عراقی افواج کے قبضہ میں تھے۔
(22-9-80 - 9-1-81)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چار سال سے مسلط کردہ جنگ کا تجزیہ

پیشگفتار

مسلط کردہ جنگ کیوں اور کیسے شروع ہوئی ؟ پہل کس نے کی ؟ اس خونریز جنگ میں اکسانے اور آتش جنگ کو بھڑکانے والے کون اور اس سے فائدہ اٹھانے والے کون ہیں؟ آیا ایران عراق تنازعہ کا اس کے سوا کوئی اور حل نہ تھا؟ اور آخر ان کے باہمی اختلافات تھے کیا ؟

اب یہ کون سے عناصر ہیں جو جنگ کے شعلوں کو ہوا دے رہے ہیں؟ اس میں مسلمہ بین الاقوامی قوانین و مقررات کو کس حد تک ملحوظ خاطر رکھا جا رہا ہے؟

بین الاقوامی انجمنوں اور تنظیموں نے اس جنگ میں کیا کردار ادا کیا ہے ؟ جنگ میں استبدادی طاقتوں کا کیا کردار رہا ہے؟ اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں ؟ جنگ کو ختم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا ؟ اور اس جنگ کے اختتام پر مشرق وسطیٰ اور عالم اسلام کا نقشہ کیا ہوگا؟

یہ سب اور ایسے ہی بیسیوں دوسرے سوال ہیں جن کا تجزیہ و تحلیل اور جن پر غور و فکر سے نہ صرف اس جنگ کے اصل محرک اور بنیادی مقصد کی نشان دہی کی جا سکتی ہے بلکہ اس سے موجودہ دنیائے انسانی کو ایسے ہی بہت سے درپیش مصائب اور سیاسی بحرانوں کا، جن سے ہماری یہ آشوب دنیا مختلف صورتوں میں دست بہ گریبان ہے، حل تلاش کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے، اور ان رکاوٹوں کو بھی جو اس کا نظریاتی گھراؤ کرنے اور اس کے

سیدھے سادے افکار وعقائد کو گمراہ کرنے کے سلسلہ میں کھڑی کی گئی ہیں؛ راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

مسلط کردہ جنگ کو وجود میں لانے والے عوامل اور اس کو بھڑکانے والے عناصر کی شناخت اور بازیافت اس لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک طرف تو یہ دنیائے سیاست میں مسلمہ بین الاقوامی قوانین و معاہدہ کی اعتباریت اور سندیت کو ثابت کرتی ہے اور دوسری طرف ایک علاقائی بحران کے نقطۂ آغاز کے طور پر ہمیں مشرق وسطیٰ کے سیاسی واقعات کے جو کہ زنجیر کی کڑیوں کی مانند ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور مربوط ہیں، اسباب وعلل کی دریافت میں مدد دیتی ہے۔

اس لئے کہ ہر بحران کی قدر مسلم، جو کہ دنیا کے کسی حصہ میں رونما ہوتا ہے، بعض وجوہات تحریکات اور اختلاج کے ایک ایسے سلسلہ پر مبنی ہوتی ہیں جو کسی معاشرہ کے بدن سیاسی میں تشکیل پاتا اور خود کو پروان چڑھاتا ہے اور اسی اصول پر دنیا میں رونما ہونے والا ہر حادثہ یا بحران بجائے خود واقعات کے ایک نئے سلسلے کو وجود میں لانے اور پروان چڑھانے اور نئے حادثات کے لئے زمین ہموار بنانے والا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ واقعات وحادثات بھی جو بظاہر ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مماثلت یا مشابہت نہیں رکھتے بباطن آپس کے ایک نامرئی ارتباط کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

"تسلسل حوادث" کے اصول کے اثبات کے لئے مثال کے طور پر مختلف اتفاقات و واقعات، جو کہ لبنان میں لحظہ بہ لحظہ پیش آرہے ہیں، کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

شروع شروع میں یہ حادثہ لندن میں صہیونی سفیر پر قاتلانہ حملہ کی صورت میں رونما ہوا۔ اس کے بعد یہ صہیونی طاقت اپنی بھرپور فوجی قوت کے ساتھ انتقام لینے کے بہانے لبنان میں داخل ہوگئی۔ اب لندن میں قاتلانہ حملہ والا حادثہ مکمل طور طاق نسیان میں رکھ دیا گیا اور یوں کشیدگی کا مرکز لبنان میں منتقل ہوگیا جس کے نتیجہ میں "معاہدۂ لبنان واسرائیل" کے نام سے ایک نیا بحران منصۂ شہود پر آیا، اس کے بعد آہستہ آہستہ امریکی، انگریز اور فرانسیسی سپاہیوں کے قدم بھی لبنان میں جا پہنچے اور اب اس بحران نے لبنان میں "نیٹو" کی افواج کی موجودگی"

کی صورت اختیار کی، بیروت میں امریکی فوجی چھاؤنی کے انہدام کے صرف چند ہی روز بعد شیطانِ اعظم نے لبنان میں اپنی عسکری کمزوری پہ پردہ ڈالنے کے لئے کارائب علاقہ کے ایک چھوٹے سے جزیرے (گرانا ڈا) پہ چڑھ دوڑا اور مرکز بحران کو کچھ عرصہ کے لئے گرانا ڈا اور مرکزی امریکی زدوں کے اندر تک لے گیا اور.....

اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔

بظاہر ان دو حوادث یعنی "گرانا ڈا پہ قبضہ" اور "انگلستان میں صہیونی سفیر پہ قاتلانہ حملہ" میں کوئی مشابہت نظر نہیں آتی تاہم اس قسم کے حادثات کی روشنی میں ایک حقیقت ضرور ثابت ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں پیش آنے والا ہر حادثہ جدید مقاصد کے حامل کچھ جدید تر حادثات کو وجود میں لانے والا ہو سکتا ہے اور بہت سے اتفاقات جو ایک دوسرے کے ساتھ بظاہر معمولی سی مشابہت بھی نہیں رکھتے کچھ اس طرح سے زنجیر حوادث کی ایک کڑی بن سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی شناخت دوسری کی بازیافت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

قدرتی طور پہ یہ مسلط کردہ جنگ بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے اور بجائے خود مختصر مدت اور طویل مدت کے کچھ ایسے واقعات و پیشامدات کو جنم دینے والی ہے جس کی طرف اس سلسلۂ مطالب کے مختلف حصوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ حقیقت کا ایک پہلو ہے اور دوسرا پہلو ان اسباق و نصائح سے متعلق ہے جو اس جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہوئے ہیں۔ جو کچھ اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ سے عملاً ثابت ہو چکا ہے۔ جو کہ اس کے آغاز سے پہلے محض ایک فکر و خیال کی حیثیت رکھتا تھا، کچھ یوں ہے:۔

۱۔ بین الاقوامی اقدار و قوانین کا احترام و لحاظ نہ کرنا یا ان کی بے احترامی کرنا اور ان کو پاؤں تلے روندنا ہمیشہ دنیا کی استعماری طاقتوں کے مفاد کے تابع رہا ہے۔ اگر ان قوانین پہ عملدرآمد ان کے مفاد کے تحفظ میں مدد کرتا ہو تو ان کے خیال میں ان کو "ضرور" ملحوظ رکھنا چاہیئے اور اگر ان کو ملحوظ رکھنا ان توقعات و مفادات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث ہوتا ہو تو ان کی خلاف ورزی پہ دوسروں

کو سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

۲۔ کسی بحران کو ختم کرنے کی کوئی بھی بین الاقوامی کوشش ہزارہا سیاسی مقاصد اور توقعات پر مبنی ہوتی ہے اور یہ کوششیں غالباً ان مقاصد اور اہداف کو حاصل کرنے کے لئے ، حاصل کی جاتی ہیں۔

۳۔ ہر سیاسی بحران اور ہر جنگ، جو دنیا کے کسی گوشے میں برپا ہوتی ہے، نہ صرف متخاصم و متحارب فریقوں کی واقفیت و ماہیت کو اور زیادہ آشکار بناتی ہے اور ان کو اپنی قطعی شکل و صورت سے قریب تر لاتی ہے بلکہ دوست و دشمن ممالک کو بھی واضح طور پر ایک دوسرے سے تمیز کر دکھاتی ہے اور مختلف حکومتوں کے پنہاں منصوبوں کو خود بخود آشکار و عیاں بناتی ہے۔

۴۔ ہمیشہ اور ہر قسم کے حالات میں یہ ایمان و ایقان اور اعلیٰ و ارفع مقاصد سے سچا عشق ہوتا ہے جو مقابلوں اور تنازعات اور انسانی معاشروں کے مقدرات کو متعین کرتا ہے۔ کوئی فیصلہ اور کوئی اقدام کسی معاشرے کی تقدیر کو نہیں بدل سکتا الّا یہ کہ وہ اس اجتماع میں بسنے والے لوگوں کے عقیدۂ حیات و ممات پر ایمان و ایقان پر مبنی ہو۔

وہ موضوع جو کہ آپ کے پیش نظر ہے اسلامی جمہوریۂ ایران پر عراق کی مسلط کردہ جنگ سے متعلق انہی حقائق کی تفسیر و تعبیر پر مبنی ہے اسی بنا پر مقالات کے اس سلسلہ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس مسلط کردہ جنگ کے تاریخی اسباب و علل اس جنگ سے استعماری طاقتوں کے ربط و تعلق، عرب حکومتوں کی پوزیشن، بین الاقوامی قوانین و معاہدات اور جنگ کے دوران ان کی رعایت کے معیار، صلح مسلط کرنے کے سلسلہ میں سیاسی کوششوں اور ان کوششوں کے اصلی مقاصد نتائج، جنگ کے تحائف اور دیگر مسائل کا تجزیہ کیا جائے۔

ہو سکتا ہے اس کے ذریعے ہم اس خونریز تنازعہ سے جو ایک اعتبار سے مشرق وسطیٰ کی تمام کی تمام مسلمان اقوام پر ٹھونسا گیا ہے ؛ دو مسلمان ممالک ایران و عراق کے عوام کو ، آشنا کرنے کی راہ میں ایک قدم اٹھا سکیں۔

فصل اوّل

جنگ اور اختلافات کے اسباب و علل

جو لوگ دنیا کے اہم سیاسی واقعات و حادثات کی تعبیر و تفسیر کرتے رہتے ہیں اور ان معاملات میں صاحب بصیرت مانے جاتے ہیں ان کے ہمیشہ دو گروہ ہوتے ہیں۔ گروہ اوّل ان لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو شاذ و نادر ہی واقعات کے اسباب و علل اور تاریخی پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور جن کے تجزیئے اور تبصرے عموماً درپیش سیاسی حالات اور مقتضیات اور جانبدارانہ رجحانات اور موقعیات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ عام طور پر دنیا کی آمرانہ اور مستبدانہ پالیسیوں کے بندے اور غلام ہوتے ہیں، دوسرے گروہ کے سیاسی تجزیہ نگار وہ ہوتے ہیں جو حقائق کو اپنے ذاتی ظن و قیاس اور شخصی احساس پر قربان نہیں کرتے اور جن کے تجزیئے اور تبصرے کسی خارجی دباؤ کے ماتحت اور شرائط زمان و مکان سے مشروط و مربوط نہیں ہوتے اور وہ دنیا کے واقعات و تحولات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح کہ وہ فی الواقع ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریۂ ایران پر عراق کی تحمیلی جنگ کے بارہ میں اب تک جو تفسیرات و تعبیرات سامنے آتی ہیں وہ بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور اس کے اسباب و مقاصد کے بارہ میں بھی، ایسے لوگوں کے دو مشخص اور ممتاز گروہ موجود ہیں جو تجزیوں تبصروں میں مصروف ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگ، جنہوں نے اصل واقعات و حادثات سے عمداً آنکھیں بند کر رکھی

ہیں اور جو موجودہ دنیا کی تجمیلی سیاست کے غلام ہیں، اس تجمیلی جنگ کے وقوع پذیر ہونے کے بارہ میں کچھ اس قسم کے قیاسات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔

عراق ایران جنگ دونوں ممالک کی سرحدوں کی حد بندی سے متعلق جون ۱۹۷۵ء کی قرار دادِ الجزائر کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں چھڑی ہے

عراق ایران جنگ دراصل خلیج فارس کے منطقہ کی عرب حکومتوں کی ارضی سالمیت اور حاکمیت کے تحفظ کے لئے سیاسی اور عسکری گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں شروع ہوئی ہے۔

عراق ایران جنگ تین جزیروں، تنب خورد، تنب کلاں اور ابوموسیٰ پر تسلط کے مسئلہ پر جس کی مالکیت کے ہردو ممالک دعویدار ہیں، پیش آئی ہے۔

- "عراق ایران جنگ کا سرچشمہ نسلی اختلاف ہے[1]"

- "یہ جنگ دونوں ممالک کے دیرینہ اختلافات اور عربی و عجمی نژاد اقوام کے پارینہ تصادم کا منطقی نتیجہ ہے..... اگر ایران کی بجائے عراق کے کسی عرب ملک کے ساتھ ایسے ہی اختلافات ہوتے تو یہ جنگ شاید ہرگز نہ چھڑتی اور یہ تنازعہ فوراً ہی مذاکرات کے ذریعہ نمٹ جاتا لیکن اس راہ حل کو ایران کے سلسلہ میں اختیار کرنا، جو کہ بجائے خود ایک جداگانہ نسل اور مستقل زبان کا مالک ہے، عربوں کے نقطۂ نظر سے مشکل نظر آتا ہے[2]"

— لیکن وہ تجربات و مشاہدات، جو کہ عراق کی بعثی حکومت کے اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف ۴ سالہ جنگ کے دوران مذاکروں، جنگ کے حقیقی اسباب کے سلسلہ میں حکومت عراق کے عہدیداروں کے مکرر اعترافات، جنگ میں عراقی حکومت کی فتح و نصرت سے ناامید ہونے کے بعد مغربی حلقوں کی تعبیروں اور تفسیروں، متعدد مستند شواہد و مدارک، جو کہ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سے سرزمین عراق پر مسلط سیاسی نظام کی حیثیت و ماہیت کے بارہ میں ہاتھ

۱- ریڈیو امریکہ، ۱۲/۹/۵۹ ھ ش (۶-۳، ۱۲، ۸۰)

۲- ریڈیو بی بی سی، ۳/۱۲/۵۹ ھ ش (۶-۲۲، ۲، ۸۰)

آتے ہیں، سب کے سب اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا وجوہات میں سے کوئی ایک بھی آتش جنگ کو بھڑکانے کی اصل وجہ نہ تھی بلکہ اس عریاں فوجی جارحیت کو جو کہ دو عالمی جنگوں کے بعد کلاسیکی طرز کی عظیم زمینی جنگ کا روپ دھار چکی ہے، حکومت عراق کی ہیئت کی تحقیق و تدقیق حسن البکر کی بعثی حکومت کے سقوط اور صدام حسین کے عروج، خلیج فارس کے علاقہ میں بڑی طاقتوں کے کردار، ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد کے حالات اور وقوع جنگ کے وقت مشرق وسطیٰ اور عالم اسلام کی حیثیت و موقعیت کے اس منظر اور تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔

اس بات کو اتنی سادگی اور آسانی سے قبول کرنا مشکل ہے کہ یہ جنگ، جو کہ اب ۸ سال سے انتہائی شدت و حدت کے ساتھ زمین، فضا اور دریا میں جاری ہے اور جس کے خاتمہ کے ہنوز آثار بھی دکھائی نہیں دیتے، ایک معاہدہ کی خلاف ورزی یا چند بالشت زمین کے مسئلہ پر شروع ہوئی ہو گی۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ ۱۹۷۵ء کی قرارداد الجزائر جیسی قراردادیں ایران عراق روابط کی تاریخ میں کئی بار پہلے بھی منعقد ہو چکی ہیں، کی خلاف ورزی ہر دو ممالک کے اختلافات کا نقطۂ آغاز اتنے وسیع پیمانہ پر اس خانہ برانداز جنگ کے وقوع پذیر ہونے کی بنیاد بنی ہو گی، کیونکہ ۱۹۷۵ء کی قرارداد الجزائر کے متن میں دونوں ممالک کی سرحدوں کی حد بندی سے متعلق ہر قسم کے اختلافات نہ صرف حل کر دیئے گئے تھے بلکہ معاہدہ کی کسی شق کی تعبیر و تفسیر کے سلسلہ میں پیش آنے والے متوقع اختلافات کو رفع دفع کرنے کے بارہ میں بھی تجاویز پیش کر دی گئی تھیں اور کسی قسم کے ابہام یا شک و تردید کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی جیسا کہ قرارداد کی شق نمبر ۶ میں انتہائی صراحت اور وضاحت سے کیا گیا ہے۔

۱۔ موجودہ معاہدہ کے متن کے تینوں حصوں اور ان کے ضمیموں کی تعبیر و تفسیر یا اس کو عملی جامہ پہنانے کے بارہ میں کسی بھی اختلافات کی صورت میں اس اختلاف کو ایران عراق سرحد کے احترام کو مکمل طور پر ملحوظ اور امن و اماں کو قائم رکھتے ہوئے، دور کیا جائے گا۔

۲۔ پہلے مرحلہ میں یہ اختلافات فریقین میں سے کسی ایک فریق کی درخواست کے دو ماہ

کے اندر اندر ہر دو ممالک کے براہ راست دو طرفہ مذاکرات کے ذریعہ حل کئے جائیں گے۔

۳۔ عدم توافق کی صورت میں فریقین تین ماہ کے اندر اندر ہر دو ممالک کے قابل اعتماد کسی تیسرے ملک کو ثالث بنانے کے لئے رابطہ قائم کریں گے۔

۴۔ فریقین میں سے کسی ایک فریق کے ثالث ملک سے رابطہ قائم کرنے سے گریز یا اس کی کوتاہی کی صورت میں ایک ماہ کے اندر اندر اس اختلاف کو منصفی کی بنیاد پر حل کیا جائیگا۔

۵۔ آئین یا منصفی کے طریقہ سے فریقین کے عدم توافق کی صورت میں ہر فریق عدم توافق کی تاریخ کے بعد پندرہ روز کے اندر اندر بھی عالمی عدالت انصاف سے رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرارداد الجزائر کوئی انوکھی یا نرالی قرارداد نہیں اور اس نوع کی قراردادیں ایران عراق روابط کی تاریخ میں کئی بار پہلے بھی منعقد ہو چکی ہیں۔

۱۶۳۹ء کا معاہدہ صفوی اور عثمانی حکومتوں کے مابین بحری اور بری سرحدوں کے بارہ میں، ۱۷۴۶ء میں نادر شاہ افشار اور عثمانی سلطان کے مابین سرحدوں کے تعین کا معاہدہ اور روم کا معاہدہ جس پر دو سالہ جنگ (۳- ۱۸۲۱ء) کے نتیجہ میں ایران کی حکومت وقت کے نمائندے اور عثمانی شہنشاہ نے دونوں ممالک کی حدود و دستور کے تعین کے بارہ میں دستخط کئے۔ ۱۹۱۱ء کا معاہدہ تہران اور ۱۹۱۳ء کا معاہدہ قسطنطنیہ (موجودہ ترکی) جس کی رو سے سرحدوں کے تعین کے لئے ایران، ترکی اور روس کے مشترکہ کمیشن کا قیام عمل میں آیا، ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء کا معاہدہ جس کی رو سے عراق شط العرب پر اپنی حاکمیت کے دعویٰ سے دستبردار ہو گیا، ۱۹۵۷ء میں کراچی میں ایران و عراق کے وزرائے اعظم کے مذاکرات عبدالکریم قاسم کی انقلابی حکومت کی طرف سے ۱۹۳۷ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی اور اس وقت کی ایرانی حکومت کے وزیر خارجہ کی طرف سے اس کی اشتراکی حکومت کو سنگین نتائج کی دھمکی اور دونوں حکومتوں کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف شدید پروپیگنڈہ مہم کا آغاز ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو حسن البکر کی بعثی حکومت کا دعویٰ کہ شط العرب ملک عراق کا حصہ ہے جس کے نتیجہ میں خلیج فارس میں ایرانی بحریہ کو ممکنہ کاروائی کے لئے ہر وقت تیار رہنے کا حکم اور آخر

کار ۱۹۷۵ء میں معاہدہ الجزائر کی رو سے فریقین کے جھگڑے کا خاتمہ، یہ سب معاہدے اس بنیادی حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ایران عراق سرحدی جھگڑے کا ایک باقاعدہ تاریخی پس منظر ہے!

دوسری طرف سے نظریاتی کشمکش، بڑی طاقتوں کے ساتھ رابطہ کی نوعیت، خلیج فارس میں علاقہ کے دو طاقتور ترین ملکوں کی باہمی دشمنی و رقابت اور سب سے بڑھ کر اقلیتوں اور کردوں کے مسئلہ جیسے مسائل ایسے عوامل ہیں جو ان اختلافات کے طویل پس منظر اور وسعت کو ظاہر کرتے ہیں، ان اختلافات نے خاص طور پر ۱۹۵۸ء میں عبدالکریم قاسم کے (جو کہ روس اور مشرقی بلاک کے ساتھ روابط کو وسعت دینے سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا) اشتراکی اور عسکری انقلاب کے بعد ایک نیا رخ اختیار کیا اور اس بار دونوں ملکوں کی قیادت کی سطح پر سیاسی تضاد کے مسئلہ نے بھی اختلافات کا ایک نیا باب کھولا اور دونوں ملکوں کے روابط کے سکون اور تعاون کو، جو کہ خاص طور پر ان کی حکومتوں (بادشاہت) کی مشابہت کی بنا پر تھا، درہم برہم کر دیا اور ان کے پوشیدہ اختلافات و تضادات کو نہ صرف یہ کہ شدید سے شدید تر کر دیا بلکہ یہی اختلاف و تضاد محدود پیمانہ پر دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی جھڑپوں کا موجب بھی بن گیا۔ یہ اختلافات ۱۹۶۸ء میں جب حسن البکر عراق کی حزب بعث کے توسط سے برسر اقتدار آیا، لاینحل رہے کیونکہ وہ بھی یہی کوشش کرتا تھا کہ مشرقی کیمپ کے ساتھ اپنے روابط کو بدستور قائم رکھے ایران میں امریکی پالیسی اور عراق میں بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والی حکومتوں کے معاملات میں روس

عراق کا یہ دعویٰ تھا کہ دونوں ملکوں کی آبی سرحد دریا کی مشرقی سرحد اور ایرانی ساحل کے قریب واقع ہے جب کہ دوسری طرف ایران اس بات کا مدعی تھا کہ دونوں ممالک کی دریائی سرحد، خط تالوگ" یعنی دریا کے عمیق ترین حصہ کو جو کہ عموماً اس کے وسط میں ہے، ہونا چاہیئے اور الجزائر کانفرنس میں ایران کا یہ موقف تسلیم کر لیا گیا تھا۔

کی رخنہ اندازی بھی۔ گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں دونوں ملکوں کے سرحدی تشنجات کو شدید سے شدید تر کرنے کے سلسلہ میں ایک اور مؤثر محاصل رہی ہے اور قدرتی طور پہ یہ تعارضات و تضادات کردوں کے مسئلہ جیسے نت نئے مسائل کو جنم دیتے رہے ہیں۔

یہ دیرینہ و پاریتہ اختلافات سب کے سب اس واقعیت و حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف عراق کی مہ سالہ تباہ کن جنگ، جو کہ ایک ہزار کلو میٹر کے علاقہ میں زمین ہوا اور سمندر میں بدستور جاری ہے، ایک سیدھے سادے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے یا دریائے اروند رود کے چند مربع میٹر پانی پہ مالکیت کا دم بھرنے کے نتیجہ میں نہیں ہو سکتی۔

طٰہٰ یاسین، اول نائب وزیر اعظم اور عراق کی نام نہاد عوامی فوج کے سربراہ نے بعث پارٹی کے سرکاری ترجمان، روزنامہ الثورہ، کے ساتھ ایک خصوصی انٹرویو کے دوران دیماہ ۱۳۶۰ (جنوری ۱۹۸۱ء) کے اواخر میں اس حقیقت کی طرف واضح طور پہ اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم اس امر پہ زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنگ اس وقت تک انجام و اختتام کو نہیں پہنچے گی جب تک ایران کی موجودہ ہیئت حاکمہ مکمل طور پہ منہدم نہ ہو جائے کیونکہ بنیادی اختلاف چند سو کلو میٹر مربع زمین یا نصف شط العرب کے مسئلہ پہ نہیں جو کہ بظاہر جنگ کے آغاز کا سبب بنا تھا۔ لہٰذا ایران کے خلاف ہماری جنگ جیسا کہ ملت عرب کے بعض غدار دعویٰ کرتے ہیں، محض ایک سرحدی جنگ نہیں ہے کہ اس کو آئندہ پہ ٹالا جا سکتا ہو بلکہ درحقیقت یہ جنگ سرنوشت و مقدر کی جنگ ہے اور ہم نے دراصل ایران کے نئے نظام کے ساتھ ٹکر لے رکھی ہے"

جب عراق کی بعثی حکومت نے اپنے بیسیوں جنگی جہازوں کے ساتھ اسلامی ملک ایران کے شہروں پہ بمباری کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پہ مشتمل اپنے بارہ بکتر بند ڈویژن فوج کے ساتھ اسلامی جمہوریۂ ایران کی خاک پاک پہ حملہ کا آغاز کیا مشرق وسطیٰ کے سیاسی مسائل کے ماہر مبصروں اور تجزیہ نگاروں پہ اچھی طرح سے واضح اور عیاں تھا

کہ یہ شرمناک اور وحشیانہ جارحیت چند بالشت زمین اور چند قطرے پانی پہ جھگڑے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ ایک ایسا اقدام ہے جو کہ پہلے سے سوچا سمجھا ہوا ہے اور اس کو دنیا کی استعماری قوتوں کی وسیع پیمانہ پہ اخلاقی حمایت حاصل ہے۔

مشرق وسطیٰ میں جہنمی تنظیم سی۔آئی۔اے کے مضبوط ترین ہیڈ کوارٹر کے محافظ شاہ (ایران) کا سقوط، اسرائیلی سفارتخانہ کا تعطل، صہیونی جاسوسوں کا اخراج) چالیس ہزار سے کچھ اوپر امریکی ماہروں اور مشاوروں کی ایران بدری، ایران میں امریکی آلات جاسوسی کی ضبطی، اسرائیل اور جنوبی افریقہ جیسی نسل پرست حکومتوں کے لئے تیل کی سپلائی پہ پابندی، سنٹو جیسے استعماری معاہدے[1] سے اخراج، استعماری طاقتوں کے خلاف دنیا بھر میں چلنے والی تحریکوں کی اخلاقی حمایت تہران میں امریکی جاسوسوں کی یرغمال سازی اور اس کے نتیجہ میں امریکی سفارتخانہ کی بندش، فوجی ساز و سامان کی خریداری کے معاہدوں کی تنسیخ اور بیسیوں ایسے ہی دیگر اقدامات ایسے عوامل ہیں جنہوں نے ایران کے آزادی بخش اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد دنیا کی استعماری طاقتوں اور خاص طور پہ امریکہ کو ایک شدید ردعمل پہ اکسایا۔

خلیج فارس میں امریکہ کی فوجی کاروائی کی بار بار کی دھمکیاں، ایران کا اقتصادی بائیکاٹ، طبس پہ فوجی حملہ... اس تمام جھنجھلاہٹ اور اکتاہٹ کے آئینہ دار ہیں اور جب یہ تمام اقدامات نقش برآب ثابت ہوئے، عراق کی بعثی حکومت کی طرف سے جو کہ ایران کے اسلامی انقلاب کے ساتھ گہرے اختلاف کے باعث ایسی جنگ کی دل سے خواہاں تھی بلا اعلان اور بلا اشتعال جنگ ایران و عراق کی مسلم اقوام اور ان کے عوام پہ ٹھونس دی گئی۔

جو چیز ایران کے خلاف عراق کے حملہ کا باعث بنی اس کے تین بنیادی اسباب و عوامل تھے۔

---

[1] وہ معاہدہ جس پہ ۱۳۳۸ ھ (۱۹۶۰ء) میں مغربی مفادات کے تحفظ کے لئے ترکی ایران اور پاکستان کی حکومتوں نے دستخط کئے تھے۔

جو کہ درج ذیل ہیں،

الف :۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، زمینی اور بحری سرحدوں کے تعین مسئلہ پر عراق و ایران تنازعہ کا ایک طویل پس منظر ہے، یہ اختلافات، جنہوں نے دراصل ایران میں امریکہ کے اثر اور عراق میں روس کے نفوذ کے باعث دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی تنازعہ کو جنم دیا تھا، اس امر کا سبب بنے کہ دو ہمسایہ ممالک کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھن گئی۔

ب :۔ صدام، جو کہ ایک طرف سادات کے زمانہ میں مصر کو عرب دنیا میں الگ تھلگ پا رہا تھا۔ اور دوسری طرف چونکہ عرب دنیا نے اپنے درمیان جمال عبدالناصر کے بعد سے اب تک کوئی مقتدر رہبر نہیں دیکھا تھا مسلسل اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ دنیائے عرب میں اپنی حیثیت کو مستحکم بنائے اور خود کو عرب ممالک کے درمیان ایک طاقتور انسان ثابت کر دکھائے۔ شاید اس کے خیال میں اس خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے ضرور تھا کہ وہ اس علاقہ میں ایک شدید فوجی تصادم میں کامیابی کے ذریعہ اپنی عسکری برتری کو ثابت کرے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ دو لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج (جس کی تعداد مشرق وسطیٰ کے ممالک میں سب سے زیادہ تھی) سے بہرہ مند ہونے کے باعث اپنے اندر یہ قوت بھی موجود پاتا تھا۔

ج :۔ چونکہ عراق کی تقریباً تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے، وہ ان ابتدائی ممالک میں شمار ہوتا تھا جن کے اندر ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی تحریکوں نے کروٹیں لینی، شروع کر دی تھیں اور اس کی بعثی حکومت کو خاص طور پر، چونکہ وہ مذہبی اور جغرافیائی اعتبار سے ایران کا قریب ترین ملک تھا اور اس کے عوام ایران کے واقعات و تحولات سے سخت متاثر تھے، اس کو اپنے سیاسی وجود کے لئے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔

جنگ شروع ہونے سے چند ماہ پہلے ۱۳۵۹ ر ۱۹۸۰ء) میں، صدام کے ہاتھوں حسن البکر کی پراسرار معزولی اور علاقہ کے معاملات میں اس کی نئی حکومت کی پالیسی سے کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے

وقت سے ہی[1] دونوں ممالک کے روابط کے بحران کو شدید سے شدید تر بنانے اور اس تحمیلی جنگ کے شعلوں کو بھڑکانے میں پیش پیش تھا جیسا کہ اس وقت مشرق وسطیٰ کے مسائل کے ماہرین اور ناقدین بھی اس کے برسر اقتدار آنے کو بین الاقوامی استعمار کے قطبین کی اسلامی جمہوریہ کے اسلامی نظام کو سرنگون بلکہ واژگون کرنے کے لئے اس تحمیلی جنگ کو بھڑکانے کی عاجلانہ اور مجرمانہ کوششوں کا حاصل اور حامل قرار دیتے ہیں، اور یہ ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کو اس کی موجودہ تباہ کن لعنتی حکومت کے طبقۂ حاکمہ کے بیانات سے بآسانی استنباط کیا جا سکتا ہے

صدام نے زمام امور سنبھالنے کے بعد مرداد ماہ ۱۳۵۹ھ ش (جولائی ۱۹۸۰ء) میں داخلی اور خارجی اخبار نویسوں کے ساتھ ایک پریس کانفرنس کے دوران عراق ایران روابط کے بارہ میں کہا۔

"ایرانی حکومت کے ساتھ ہمارے روابط چنداں ایسے نہیں ہیں۔ اگر اس حکومت کا کوئی معارض یا مخالف یہ اعلان کرے گا کہ ایران کی مخالفت میں ہم عراق کے ساتھ ہم آوازہ ہیں۔ تو ہم اس کی اس پیشکش کا منفی جواب نہیں دیں گے بلکہ ایسے لوگوں کو ہم خوش آمدید کہیں گے اور نہ صرف یہ کہ ہم ان کی پیشکش کو ٹھکرائیں گے نہیں بلکہ اس کا مثبت جواب دیں گے"

صدام نے (اپریل ۱۹۸۰ء) میں شمالی عراق میں منعقد ہونے والے ایک جلسہ میں ایران کی اعلیٰ قیادت پہ ایک شدید حملہ کرتے ہوئے کہا۔

"عراق ایران کے ساتھ اپنے اختلافات کو پوری قوت کے ساتھ نپٹانے کے لئے پوری طرح سے تیار ہے"

ایسوسی ایٹڈ پریس کی ایک رپورٹ کے مطابق فروردین ماہ ۱۳۵۹ھ ش (اپریل ۱۹۸۰ء) میں سعدون حمادی نے، جو کہ فن لینڈ کے دورہ پر تھا، کہا۔

"اگرچہ ایران اور عراق کے درمیان فوجی تصادم کا امکان کم ہے تاہم کوئی بات ناممکن بھی نہیں"

---

[1] صدام اس وقت حسن البکر کا دست راست تھا۔

نعیم حداد، عراق کے اس وقت کے نائب صدر[1] نے اردیبہشت ۱۳۵۹ ھ ش (اپریل ۱۹۸۰ء) کے وسط میں ایک پریس کانفرنس کے دوران، جو کہ الیسوسی ایٹڈ پریس کے توسط سے کویت سے نشر ہوا، یہ بیان دیا۔

"عراق شط العرب پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گا۔"

خود صدام نے فروردین ماہ ۱۳۵۹ ھ ش (اپریل ۱۹۸۰ء) میں خبر رساں ایجنسیوں کے توسط سے نشر کی جانے والی ایک گفتگو کے دوران ایران و عراق کے درمیان حالت جنگ کے خاتمہ کے لئے مندرجہ ذیل تین شرائط پیش کیں۔

الف:۔ جزائر تنب اور جزیرہ ابوموسیٰ سے ایران کا غیر مشروط اخراج

ب:۔ شط العرب کی ۱۹۷۵ء سے پہلے والی حیثیت کی بحالی

ج:۔ ایران کی طرف سے خوزستان کو "عربستان" کے من گھڑت اور جعلی نام سے عرب علاقہ تسلیم کرنے کا اعتراف؛

یہ سب کے سب اظہارات و بیانات دو حقیقتوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

۱۔ جنگ کا آغاز عراق نے کیا، جیسا کہ صدام نے جنگ کے پہلے روز خود اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"ایران کی سمت پہلی گولی میں نے چلائی ہے اور مجھے اس پر فخر ہے"[2]

۲۔ جنگ چھیڑنے کی وجہ سرحدی جھگڑا نہیں بلکہ اس کا مقصد اسلامی جمہوریہ ایران کا تختہ الٹنا یا کم از کم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔

عراق کی بعثی حکومت نے، مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر اس جنگ کو شروع کرنے کا پہلے ہی سے فیصلہ کر رکھا تھا، ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے فوراً بعد ہی اس مجرمانہ

۱۔ عراقی پارلیمنٹ کا موجودہ اسپیکر

۲۔ منقول از: روزنامہ "ملیت"۔ ترکیہ۔ ۳/۷/۶۲

ذمہ داری کو انجام دینے اور زمین ہموار کرنے کی غرض سے گوناگوں اقدامات شروع کر دیئے۔

عراق سے پانچ ہزار سے زائد ایرانیوں کا اخراج اور ان کے اموال و املاک کی ضبطی کے علاوہ عراقی قومیت کے حامل عراقیوں کی اہل تشیع ہوتے یا ان کے ایران کے اسلامی انقلاب سے دلچسپی رکھنے کی بناء پر، بدترین زمانی و مکانی و موسمی حالات میں، وسیع پیمانے پر ملک بدری[1]، انقلاب دشمنوں میں اسلحہ کی تقسیم اور ان کی مالی اعانت، رہائشی علاقوں اور ریلوے لائنوں میں بم گذاری، تیل کی تنصیبات کو اڑانے کے لیے بموں کے دھماکے عراق میں ایران اور بالخصوص اس کے صوبۂ خوزستان میں توڑ پھوڑ کی کاروائیوں کی غرض سے خود فروختہ عناصر کی تعلیم و تربیت ایران کی سابقہ حکومت کے بکاؤ اور بھگوڑے فوجیوں کی پشت پناہی ایران کے سرحدی شہروں کے لیے جعلی مصنوعی اور من گھڑت ناموں کا انتخاب[2] اور ان شہروں کا عراق کی جغرافیائی سرحدوں سے فرضی و خیالی الحاق، سرحدوں کی اشتعال انگیز اور مکرر خلاف ورزی[3]، میراج، مگ اور ٹوپولف جنگی جہازوں کی خریداری، سرحد پر عراقی افواج کی بلا جواز تقویت اور بکتر بند ٹینکروں اور خاردار تاروں اور...... سینکڑوں قسم کی مورچہ بندیاں وغیرہ عراقی حکومت کے ایسے تمہیدی قسم کے اقدامات تھے جو اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف ایک وسیع پیمانہ پر حملہ کرنے کے لئے زمین ہموار کرنے کے مترادف تھے۔

عراق کی ہیئت حاکمہ نے ۱۵/۹/۵۸ (۳۰ نومبر ۱۹۷۹ء) کو ۵۷ - ۱۹۵۵ء میں پیدا ہونے والے لوگوں کو ہنگامی ضرورت کے تحت فوجی بھرتی شروع کی اور ان رنگروٹوں کو روزانہ چار گھنٹے تک فوجی تربیت دینے کے لیے

---

[1] عراق سے ایران کی طرف بزور دھکیلے جانے والے عراقیوں میں سے اکثر شدید سردی یا بارودی سرنگوں سے ٹکرائے جانے کے باعث راستے ہی میں ہلاک ہوگئے۔ [2] عراقی حکومت نے اہواز کو "الاحواز" خرم شہر کو "محمرہ" آبادان کو "عبادان" سوسنگرد کو "خفاجیہ" اور آخر میں خوزستان کو "عربستان" کا نام دیا اور یوں ر اسلامی جمہوریہ ایران کی آزادی اور جغرافیائی سالمیت سے متعلق اپنے سوئِ نیت کا مظاہرہ کیا۔ [3] یاد رہے کہ ایسے موقعوں پر بیسیوں مرتبہ اسلامی جمہوریہ ایران کی وزارت امور خارجہ کی طرف سے تہران میں عراقی سفارتخانہ کو سرکاری سطح پر احتجاجی نوٹ ارسال کیے گئے۔

فوجی افسروں کو شہید کیا۔

عراق کی بعثی حکومت نے جنگ کے باقاعدہ آغاز سے پہلے ۴۳۷ دفعہ توپوں کی گولہ باری اور ہوائی جہازوں کی بمباری کے ذریعہ ایران کے سرحدی علاقوں، کھیتوں، دیہاتی چوکیوں اور سرحدی شہروں کو نشانہ بنایا اور ۱۸۲ بار ایران کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشتعال انگیز اقدامات و تجاوزات سے اس کا بنیادی مقصد ایران کو جوابی کاروائی کے لئے اکسانا اور سرزمین ایران پہ بھرپور اور عام حملے کا جواز بہم پہنچانا تھا۔

یہ سب اقدامات و انتظامات ایسے حالات میں کئے جا رہے تھے جبکہ اسلامی جمہوریۂ ایران اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تصادم کے لئے ذرا بھی مائل نہیں تھی اور اپنے بنیادی آئین کی رو سے بھی تمام ممالک کی ارضی سالمیت کے احترام کو اپنی خارجی سیاست کا بنیادی اصول قرار دیتی تھی، اسی اصول کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی جمہوریۂ ایران نے ناوابستہ ممالک کی پانچ نکاتی تحریک کے ساتھ وابستگی اختیار کی تاکہ اپنی مساعیِ جمیلہ سے اس کے اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ٹھوس قدم اٹھا سکے[1]۔

"ہم کسی بھی ملک کے ساتھ، خواہ وہ اسلامی ہو خواہ غیر اسلامی، جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، سب ممالک کے ساتھ صلح و صفائی کے خواہشمند ہیں اور اب تک ہم نے محض اپنے دفاع کے لئے جو کہ ہر ایک کا خدائی فرض اور انسانی حق ہے، قدم اٹھایا ہے۔ ہم ہرگز دیگر ممالک کے خلاف جارحیت کا ارادہ نہیں رکھتے اور محض یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تمام اسلامی ممالک، اسلامی بھائی چارہ کے

[1] ناوابستہ تحریک کے اصول پنجگانہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) مختلف ممالک کی حاکمیت اور جغرافیائی سالمیت کا باہمی احترام۔

(ب) عدم جارحیت (ج) حکومتوں کا ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت

(د) سب ممالک کی مساوی حقوق سے بہرہ مندی۔

(ہ) پرامن بقائے باہمی۔

بنیادی اصول پر مسلمانوں اور اسلامی ممالک کے حقوق کے دفاع اور بازیابی کے لئے اسرائیل جیسے جارحیت پسندوں اور سرکشوں کے خلاف ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر آگے بڑھیں۔

اسلامی جمہوریۂ ایران انقلاب اسلامی کی کامیابی کے فوراً بعد سے ہی خلیج فارس کے علاقہ میں غیر ملکی طاقتوں کی دخل اندازی کی روک تھام کے خیال سے ہمیشہ علاقائی سلامتی اور اپنے مسلمان ہمسایوں کے ساتھ برابرانہ اور برادرانہ روابط کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہا ہے اور اس نے اسی مقصد کے حصول کے لئے متعدد اقدامات بھی کئے ہیں جن میں سے اہم ترین اقدامات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

— باقاعدہ افواج کے افسروں اور کمانڈروں کی تعداد میں تخفیف۔

— فوجی سازوسامان کی خریداری کے معاہدوں کی منسوخی اور ان معاہدوں کی غیر فوجی اور زرعی سازوسامان کے معاہدوں میں منتقلی۔

— عمان اور لبنان سے ایرانی افواج کی (رضاکارانہ) واپسی

— ایرانی فوجی افسروں کی جو فوجی تعلیم وتربیت کے لئے غیر ممالک میں بھیجے گئے تھے واپسی

— معاہدۂ سینٹو سے علیحدگی

— یہ انسانی اور اسلامی سیاست اس امر کا موجب بنی کہ دنیا کے ۹۰ فیصد ممالک کے اسلامی جمہوریۂ ایران کے ساتھ تجارتی، اقتصادی اور تہذیب روابط قائم ہو گئے۔

عراق کی حزب بعث کے آئین ودستور العمل اور اس کے افتتاح ۱۳۴۷ھ ش سے اب تک کی تاریخ کے سرسری اور اجمالی جائزہ اور مطالعہ سے یہ حقیقت بآسانی ثابت ہو جاتی ہے کہ درحقیقت نسل پرست حزب بعث کے نظریات ومعتقدات کی ساری عمارت تغلّب خواہی، تفوّق طلبی، زبردستی اور دہشت انگیزی کی اساس پر اٹھائی گئی ہے، اور گذشتہ پندرہ سال سے اب تک عراقی حکومتیں ہمیشہ اپنی داخلی اور خارجی پالیسیوں کی بنیاد حزب بعث کی خواہشات ومقتضیات کے اصول

و معانی پر رکھنے پر مجبور و مقہور چلی آتی ہیں۔

حزب بعث کا بانی مائیکل عفلق، جو کہ اب بھی اس پارٹی کے ممتاز مفکروں میں شمار ہوتا ہے، ایک کتاب بنام "عربوں کا ابدی فریضہ" میں لکھتا ہے۔

عرب اقوام کی جنگ و پیکار، اس نسل کے حقیقی تشخص کے احیا کے لئے ہمیشہ ہر قسم کے حالات اور ہر جگہ جاری و ساری رہے گا۔ جہاں جہاں ملت عرب مختلف ممالک میں بٹ گئی ہے یا ملک سے بے دخل ہو گئی ہے، یا مصنوعی اور خود ساختہ ممالک کے وجود پذیر ہونے کے اسباب و موجبات فراہم ہو گئے ہیں، وہاں وہاں یہ جنگ و پیکار ان چھوٹے چھوٹے قطعات کے ایک دوسرے کے ساتھ مکمل اتصال و الحاق اور ایک واحد اور فطرتی عرب سلطنت کی تشکیل و تاسیس تک جاری رہنی چاہیئے۔

صیہونیت کا بانی "تھیوڈور ہرٹسل" بھی ملت یہودی کے بارہ میں بالکل اسی طرز تفکر کا حامل رہا ہے یعنی اگر دوسری عالمی جنگ کی کشائش اور گیر و دار کے دوران ہٹلر کی افواج کے ہاتھوں یہودیوں کے قتل عام اور نازیوں کے ہاتھوں ان کے کشت و کشتار کے رد عمل کے طور پر اسرائیل کی وسعت طلبانہ اور جنگجویانہ سیاست اس امر کی مقتضی ہو کر فلسطین اور لبنان میں بے سلاح اور بے دفاع عرب مردوں، عورتوں اور بچوں سے انتقام لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی اصول کی بنا پر "ملت عرب کی شکست و ریخت" کے محرکات و عوامل جنہوں نے "مصنوعی اور جعلی ممالک کے وجود پذیر ہونے کے اسباب و موجبات" کو فراہم کیا ہے، عراق کی حزب بعث کے راہنماؤں کی موجودہ جنگ افروزانہ اور تجاوزگرانہ روش اور وحشت و بربریت، آدم کشی اور خونریزی کی سیاسیات ایک مسلمان ملک پر زبردستی جنگ مسلط کرنے اور "ان چھوٹے چھوٹے قطعات کو توڑ کر ایک واحد اور فطری عرب سلطنت کی تشکیل و تاسیس" کے لئے عربی زبان بولنے والے عربوں کا قتل عام کرنے کی پالیسی کی آئینہ دار ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عراق کی موجودہ سیاست کچھ اسی کے ساتھ مخصوص و منحصر نہیں اور

نہ ہی اس میں کچھ انوکھا پن ہے بلکہ اس کی بعثی حکومت ایک عرصہ سے ایک ایسی سیاست پہ عمل پیرا ہے جس کا ہماری جہالت وظلمت کی ماری دنیا نے تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد بار مشاہدہ کیا ہے، یہی سیاست تھی جس پہ کاربند ہو کر عراق کی بعثی حکومت نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد کویت کی چھوٹی سی امارت کے خلاف اپنی وسعت طلبانہ پالیسی کو اپنا لیا، ۱۹۷۳ء میں اس حکومت کی طرف سے کویت کا محاصرہ کرنا، اس کی سرحدوں پہ افواج کو لا کھڑا کرنا، اس کے کچھ حصہ پہ قبضہ کرنا بالعموم اور صوبہ بصرہ کا ایک حصہ قرار دے کر کویت پہ اور بالخصوص جزائر "وربہ" اور "بوبیان" کی مالکیت کا دعویٰ کرنا اس سیاست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ماضی میں اسی تجاوزگرانہ اور جارحانہ سیاست پہ عمل کے نتیجہ میں عراقی حکومت نے اردن اور سعودی عرب جیسے ہمسایہ سرحدی ممالک کے بعض حصوں پہ قبضہ یا ان پہ مالکیت کا دعویٰ کیا مثلاً ۱۹۷۰ء سے اردن کی داخلی جنگ کے موقع پہ عراق نے اپنی افواج فلسطینیوں کی مدد کے بہانے سرزمین اردن میں داخل کر کے اس کے بعض علاقوں پہ غاصبانہ قبضہ کر لیا اور ایران پہ مسلط کردہ جنگ کے آغاز سے کچھ عرصہ پہلے، تک وہ ان علاقوں سے اپنی افواج کو نکالنے میں پس وپیش کرتا رہا۔

خرم شہر کا نام "محمرہ"، آبادان کا "عبادان" اور خوزستان کا "عربستان" قرار دینا[1] "عرب امارات کی سیاسی تاریخ"، "تاریخ عربستان" اور "محمرہ اور مشکل عربستان" اور "عربی فارسی تصادم" جیسی جعلی کتابوں کی طباعت واشاعت اور اسی طرح جعلی نقشوں کی وسیع پیمانہ پہ تکثیر وتقسیم اور سرزمین ایران کے بعض اہم حصوں کی نام نہاد اور خود ساختہ علیحدگی اور تفکیک[2]، خوزستان کے خود فروختہ اور عربی زبان عناصر کے لئے شناختی کارڈوں کے اجراء جیسے عوامل تمام کے تمام عراق کی بعثی حکومت کی اسی وسعت طلبانہ اور تجاوزگرانہ سیاست کے شاخسانے اور غیر قانونی عراقی حکومت کی ایران کے داخلی معاملات میں مداخلت کے بین ثبوت ہیں، وہ اسناد ومدارک (جو کہ عراق کی مسلط کردہ جنگ سے پہلے خرم شہر سے ہاتھ آئے تھے) ظاہر کرتے تھے کہ یہ درحقیقت عراقی قونصل

---

[1] یاد رہے کہ عراقی حکومت کے جعلی نقشوں میں ان علاقوں کو عراقی مملکت میں شامل دکھایا گیا ہے۔ [2] خوزستان، کردستان بلکہ سیستان وبلوچستان بھی۔

خانے کے افسراں ہی تھے جو خوزستان کی ایک دہشت پسند اور تباہ کار تنظیم کے کرتا دھرتا تھے۔

۲۱/۸/۵۹ (۱۲۔ نومبر ۱۹۸۰ء) کو، جبکہ مسلط کردہ جنگ کو شروع ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے اور عراقی حملہ آوروں نے اسلامی جمہوریۂ ایران کے جنوبی اور مغربی حصوں میں ہزاروں مربع کلومیٹر رقبہ پر فوجی قبضہ کر لیا تھا، صدام نے ایک انٹرویو کے دوران کھلم کھلا ایران کے حصے بخرے کرنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"ہم جنگ میں اپنی پوزیشن اور حاصل شدہ نتائج سے پوری طرح سے مطمئن ہیں۔ اب تک ہمارے اندازے بالکل درست ثابت ہوئے ہیں اور عراقی افواج نے ۵۵۰ کلومیٹر طویل محاذ پر ایران کے اندر ۲۰ سے لے کر ۱۱۰ کلومیٹر تک پیشقدمی کی ہے، ہم ایران کی تقسیم اور سقوط سے ناخوش نہیں ہوں گے، ہم واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں، جبکہ یہ ملک ہمارے ساتھ دشمنی کا ارتکاب کرے گا۔ ہر عراقی بلکہ شاید ہر عرب ایران کی شکست و ریخت اور تباہی و بربادی کا دل سے خواہاں ہوگا۔"

اس نے اس انٹرویو کے دو روز بعد ایک پریس کانفرنس کے دوران اپنی اس بات کو اور کھل کر بیان کیا اور کہا، "ہمارے حقوق بالکل واضح ہیں۔ ہماری سرحدیں بالکل واضح ہیں۔" مقبوضہ" عرب علاقوں پہ ہماری حاکمیت بالکل واضح ہے، اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ (امام) خمینی بتائے کہ اس کی سرحدیں کہاں ہیں اور ایران کا نقشہ کہاں دھرا ہے"

چند ماہ بعد، جب کہ دس اہم سرحدی شہر یعنی خرمشہر، سوسنگرد، بستان، مہران، دھلران، قصر شیرین، هویزه، نفت شہر، سومار اور موسیان پہ حملہ آور افواج کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا، صدام نے ۲۹ دیماہ ۱۳۵۹ھ ش / ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو کویتی روزنامہ "الانباء" کو انٹرویو دیتے ہوئے اس سوال کے جواب میں کہ آیا وہ منطقہ خوزستان[1] کے عربوں کی آزادی اس خود مختاری کو متارکۂ جنگ کی شرائط میں سے ایک شرط گردانتا ہے، کہا،

"یوں تو ایران میں پانچ مختلف اقوام بستی ہیں جنہیں کسی نہ کسی طرح آزادی و خود مختاری دلانی چاہیئے لیکن ہم سر دست خوزستان میں اپنے عرب بھائیوں کے حقوق و مفادات کا دفاع کریں گے"

---

[1] یہاں پہ خوزستان کی جگہ اس کا فرضی نام "عربستان" استعمال کیا گیا ہے۔

اور پھر طارق عزیز نے، جو کہ اس وقت عراق کے نائب وزیر اعظم کے عہدہ پہ فائز تھا، صدام کی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

" ایک ایران کی بجائے کئی ایک ایرانوں کا وجود میں آنا بہتر ہے، ہم ایران کے مختلف ایرانوں کی پشت پناہی کریں گے اور اپنی تمام تر مساعی ایران کے حصے بخرے کرنے کے لئے بروئے کار لائیں گے۔

اس وقت صیہونی نظریات کی حامل عراقی اور اسرائیلی حکومتیں بعض مشترک خصوصیات کی بنا پہ جن کا ہم ذیل میں ذکر کریں گے۔ فاسد مواد والے غدودوں کی صورت میں، مشرق وسطیٰ کے جسد پر، جو کہ دنیائے اسلام سے وابستہ ہے، چپکی ہوئی ہیں اور مشرق وسطیٰ کے علاقہ میں اسلامی اقدار اور اسلام کی نشو ونما ان دو سرطانی غدودوں کے قلع وقمع پہ منحصر ہے۔

۱۔ اسرائیلی اور عراقی حکومتیں ہر دو امریکہ کی عسکری، اقتصادی، تبلیغاتی اور سیاسی حمایت سے بہرہ مند ہیں۔

۲۔ اسرائیل گوناگوں اقوام[1] کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر لبنان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جانبدار عرب حکومتوں کی خاموشی سے استفادہ کر کے کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکا ہے اور عراق کی بعثی حکومت بھی اسلامی جمہوریہ ایران کو مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن ایرانی حکومت عسکری، سیاسی بیداری اور اس کے عوام کی آگاہی و ہشیاری کے باعث اس کو منہ کی کھانی پڑی۔

۳۔ اپنے دعوں کو ثابت کرنے کے لئے حکومت عراق نے استعماری حکومتوں کے سے انداز میں اپنے دسعت طلبانہ مقاصد کو ناموں اور تاریخی سرناموں کو تبدیل کر کے پورا کیا ہے اور یہ پالیسی جو کہ گذشتہ تیس سالوں کے دوران مقبوضہ علاقوں پر قبضہ جمانے اور اپنا جزو بنانے کے لئے صیہونی حکومت کی مسلمہ پالیسی رہی ہے، نہایت سختی کے ساتھ عراقی حکومت کے لئے قابل تقلید رہی ہے مقبوضہ فلسطینی شہروں کے ناموں کی یہودی ناموں کے تبدیلی ایرانی شہروں کے ناموں کی جعلی

---

[1] عیسائی، دُرزی، سلمان وغیرہ

عربی ناموں کے ساتھ تبدیلی کے ساتھ حیرت انگیز مشابہت رکھتی ہے۔

۴۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے تھیوڈور ہرٹسل اور مائیکل عفلق، صیہونیسم اور عراقی بعث پارٹی کے بانی، ہر دو وسعت طلب ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک " واحد عرب سلطنت کے قیام کے لئے تمام الگ الگ ٹکڑوں کو متصل" کرنے اور دوسرا "نیل سے فرات تک قبضہ" کے ذریعہ متحد کرنے کا دم بھرتا ہے۔

۵۔ عراقی و اسرائیلی حکومتیں ہر دو سنگدلی، بے رحمی، رہائشی علاقوں پر بمباری اور بے دفاع لوگوں کے قتل عام میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے گئی ہیں، دونوں نے بین الاقوامی قوانین و قواعد کو، جو کہ بجائے خود قابل بحث ہیں پاؤں تلے روند ڈالا ہے اور بین الاقوامی تنظیموں نے دونوں کی غیر انسانی حرکات پر چپ سادھ رکھی ہے!

۶۔ اسرائیل اور عراق دونوں ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کے خواہاں ہیں، ریڈیو اسرائیل نے ماہ اسفند ۱۳۶۰ھ ش (فروری/مارچ ۸۲ء) میں ایک تبصرہ کے دوران جو کہ خبروں کے اختتام پر نشر ہوا، کہا: " اگرچہ حکومت اسرائیل بدستور خلیج (فارس) کی جنگ میں غیر جانبداری کی پالیسی پر کاربند ہے تاہم اگر پریذیڈنٹ صدام حسین اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے کے لئے کوئی قدم اٹھائیں گے تو اسے اس امر میں کوئی تامل نہ ہو گا کہ اس کا مثبت جواب دے، جیسا کہ اس وقت جبکہ پریذیڈنٹ سادات مرحوم نے تل ابیب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس نے اس کو گرمجوشی کے ساتھ تھام لیا تھا اور گزری ہوئی باتوں کو مکمل طور پر فراموش کر دیا تھا"!

صدام نے بھی ماہ شہریور ۱۳۶۰ھ ش / اگست / ستمبر ۱۹۸۲ء میں امریکی کانگریس کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے رکن، اسٹیون سولارز (جو کہ خفیہ طور پر بغداد آیا تھا) کے ساتھ ملاقات کے دوران کہا۔

" اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تمام عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ اپنی دشمنی کو بھول جائیں" اسی طرح اس نے فرانسیسی ٹیلیویژن کے ایک نمائندے کے ساتھ انٹرویو کے دوران بھی صیہونی سلطنت کی موجودیت اور سالمیت کی ضرورت پر زور دیا۔

روسی میزائیل۔ سُپر طاقتوں کی طرف سے صہیونی صدّام کو اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف
استعمال کے لیے دیئے جانے والے انتہائی جدید ترین ہتھیاروں کا ایک نمونہ۔

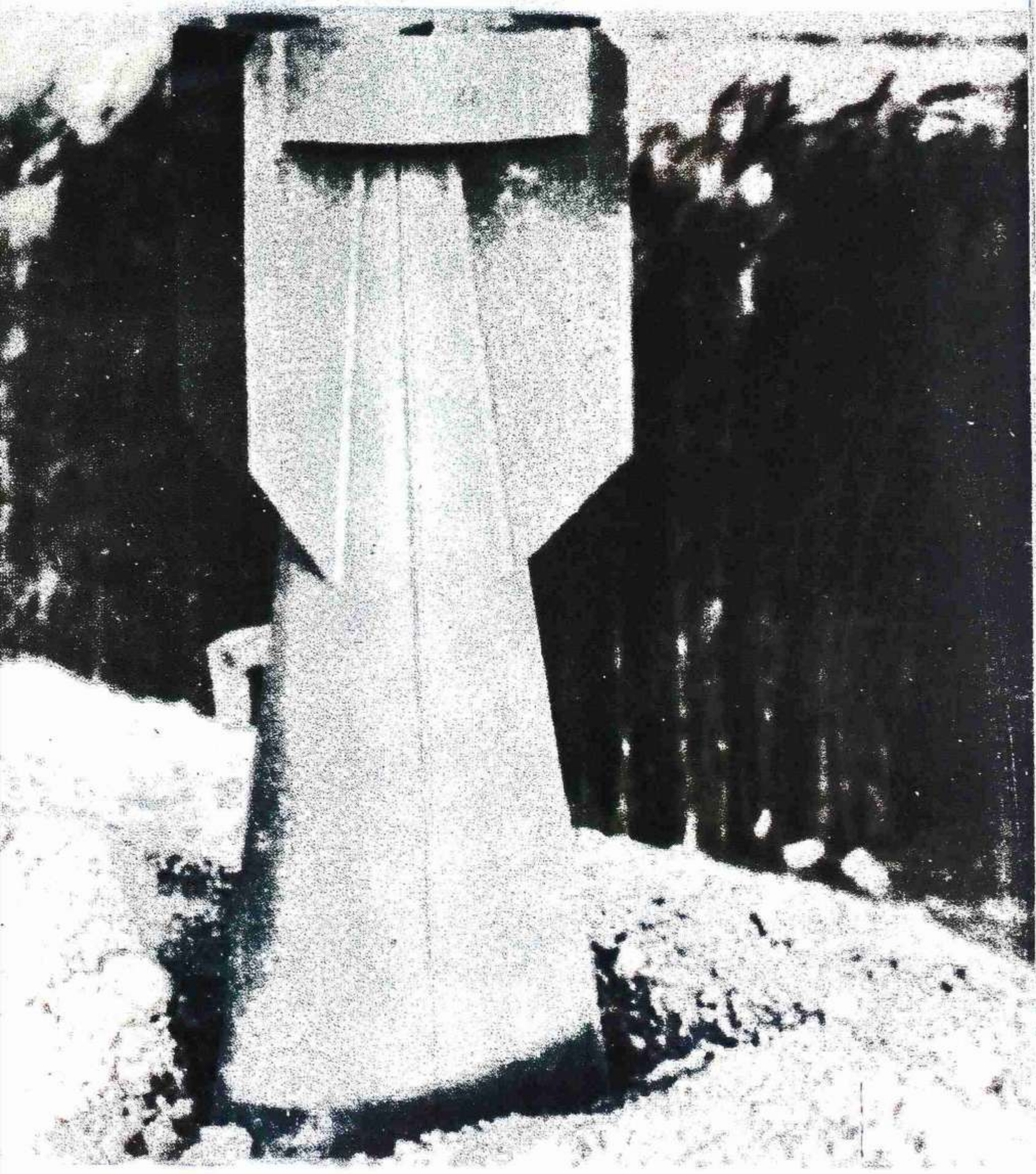

فصل دوم

جنگ اور استعماری طاقتوں کا رویّہ

اس امر میں شک و شائبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف عراق کی بعثی حکومت کی مسلط کردہ چار سالہ جنگ کے اہم ترین قابل تفسیر اور شائستہ تعبیر پہلوؤں میں سے ایک پہلو دنیا کی "عظیم" اور استعماری طاقتوں کی طرف سے حملہ آور عراقی حکومت کی ہر قسم کی نہان اور عیان حمایت و امداد ہے درحقیقت یہ وہی عناصر ہیں جنہوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے اور ایران و عراق کی دو مسلمان اقوام کو ایک دوسری سے لڑانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور اب بھی اپنی سیاسی تسلیحاتی اور تبلیغاتی حمایت سے آتش افروزی میں مصروف ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی عناصر ہیں جو اس جنگ کو جاری و ساری رکھنے کے اصل ذمہ دار ہیں۔ اس حقیقت کے اثبات کے لئے فقط اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اس مسلط کردہ جنگ کے مختلف مراحل و ادوار میں ان نام نہاد عظیمہ طاقتوں کے گٹھ جوڑ اور ہمگامی اور ہم فکری سے پوری طرح سے آگاہ ہو جائیں۔

اس بحث سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ شیطانی طاقتوں کی لامحدود اور وسیع پیمانہ پہ امداد و معاونت کی فہرست وار تفصیل بیان کریں کیونکہ یہ چیز اطالۂ کلام اور تکرار مکرّرات کے مترادف ہو گی بلکہ اس دوران ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس حمایت و امداد کی وجوہ مشترک ہمنوائی اور ہم ہدفی کو ثابت کریں اور دکھائیں کہ استعماری ٹھیکیداروں کی نظر میں بھی سرمایہ داری سوشلسٹی اور کمیونسٹی نظریات کی جدائی اور علیحدگی کا فلسفہ کس حد تک مضحکہ خیز اور تمسخر آمیز ہے تاکہ ثابت کر سکیں کہ

کہ بیسویں صدی یعنی ایٹم اور میزائیل کے دور میں یہ تمام نظام اور ان کی اصطلاحات جو بظاہر مخالف و متبائن مگر بباطن سبھی ایک ہی مجموعہ کی فردیات اور ایک ہی بدن کے مختلف اعضاء و جوارح ہیں اور بصورت ضرورت، دنیا کے سیاسی اوضاع و حالات کے پیش نظر، ایک مشترکہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے سیاسی افکار و نظریات سے استفادہ و استفاضہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور یہ تلخ حقیقت آج کی دنیا میں جنگل کے قوانین کی حاکمیت و بالادستی کی ایک روشن مثال اور دنیائے امروز میں استعمار جدید کے مختلف مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، ان سب چھوٹے بڑے واقعات و حادثات نے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد پیش آئے ہیں، جہاں بشریت کو بتدریج اس اصولی اور اساسی بات کا قائل کر لیا ہے کہ دنیا کی زبردست اور جارح طاقتوں یعنی روس، امریکہ اور اسی طرح فرانس اور انگلستان نے جس طرح دوسری جنگ عظیم کے دوران "اتحادیوں" کے عنوان سے ایک مشترک متحدہ محاذ تشکیل دیا تھا۔ آج بھی عملاً اس کو بدستور محفوظ و مامون رکھا ہوا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں یہ تمام "سپر پاورز" چھوٹے ممالک کی جغرافیائی سالمیت پر دست تجاوز دراز کرنے، ان کے حق حاکمیت کو سلب کرنے، مسلمان اقوام اور ان کی آزادی کی تحریکوں کو کچلنے اور قانون شائستگی اور اخلاق کی حدود کو پامال کرنے میں آج بھی ایک دوسرے کے ساتھ متحد و متفق اور ہم فکر و ہم احساس ہیں، یہی تھے جنہوں نے مسلمان عثمانی سلطنت کی وحدت و یگانگت کو پارہ پارہ کیا اور اس کے مختلف اسلامی حکومتوں کی صورت میں الگ الگ حصے بخرے کر دیئے۔ یہی تھے جنہوں نے روس کے توسط سے چیکوسلواکیہ، ہنگری اور پولینڈ اور فرانس کے توسط سے الجزائر اور چاڈ اور امریکہ کے توسط سے ویتنام، کمبوچیا اور ایسلواڈور کے انقلابی عوام کو خاک و خون میں لت پت کر دیا اور یہی ہیں جو آج "صلح اخلاق کا خاتمہ اور جمہوریت" کے زمانہ میں بھی اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور انقلاب اسلامی کو اپنی فوجیوں کے بوٹوں تلے کچلنے کے لئے افغانستان اور لبنان میں در آئے ہیں۔

یہ ایک قدرتی امر ہے اگر اسلامی جمہوریۂ ایران کے نئے نظام کے خلاف بغداد کی خونخوار حکومت

کی جنگ کو بھی اسی حقیقت کا ایک دوسرا رخ سمجھا جائے کیونکہ وہ بھی استعماری قطبین کی وسیع پیمانہ پر تائید و حمایت سے بہرہ مند ہے۔ چنانچہ ہمیں دنیا کی استبدادی طاقتوں کی طرف سے عراق کی فاشسٹ حکومت کی سیاسی، تسلیحاتی اور تبلیغاتی حمایت کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا اور اس کا تجزیہ کرنا چاہیئے۔

بہرحال یہاں پر اگر عراق پر مشرق و مغرب کے وسیع اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ سیاسی تسلط کے ایک اساسی سبب کا، اور عراق کی حاکم انتظامیہ کی ماہیت کے بارہ میں بالعموم اور صدام کی اصلیت کے بارہ میں بالخصوص، تجزیہ کیا جائے تو چنداں بے جا نہ ہوگا۔

اگرچہ بظاہر عربوں اور صہیونی حکومت کی شش روزہ جنگ کے بعد عراقی حکومت اور امریکہ کے روابط بگڑ گئے تھے اور عراق کو روس کی آغوش میں چلے جانے کا ایک مناسب بہانہ مل گیا تھا تاہم عراق اس کے بعد بھی مغرب کے صنعتی بلاک کے ممالک کے ساتھ اپنے روابط پر نظر ثانی کرنے کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگا رہا، جیسا کہ ۱۹۷۸ء میں جبکہ عراق میں حسن البکر کی حکومت تھی، انگلستان کی خبر رساں ایجنسی رائٹر نے حکومتِ عراق کی خارجہ پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا!

"باوجودیکہ عراق کا روس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہے وہ اشتراکیوں کو کچلنے کے لئے، انتہائی بے رحمی اور سنگدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے"۔

پھر اسی ایجنسی نے اضافہ کرتے ہوئے لکھا!

"روس کا اتحادی عراق تیل کے پیاسے مغرب کے ساتھ بھی دوستی کا دم بھرتا ہے، اور کوشش کرتا ہے کہ مشرق و مغرب ہر دو کے ساتھ اپنے روابط کو قائم و دائم رکھے اور یوں اپنے، اقتصادی مفادات کا تحفظ کرے، عراق کی بعثی حکومت کے اکابر، جو کہ ایک عرصہ تک خود کو عربوں کی انقلابی امنگوں کے علمبردار ظاہر کرتے رہے ہیں"۔ اب معلوم ہو رہا ہے کہ وہ ایک ایسی روائتی اور دقیانوسی حاکمیت کے حامی و ناصر ہیں جس کا مفاد مغربی دنیا کے مفادات سے

وابستہ ہے"۔

خبر رساں ایجنسی رائٹر نے مزید لکھا!

" بعض مغربی سیاستمداروں کے دورۂ بغداد سے ثابت ہوتا ہے کہ عراق کی بعثی حکومت کے رہنما چاہتے ہیں کہ اپنے تیل کی دولت کے ساتھ مغرب کی بہترین اشیاء کا مبادلہ کریں۔ سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں انگلستان کے وزیر امور خارجہ، لارڈ کیرنگٹن پھر مغربی جرمنی کے وزیر خارجہ جانس ڈیٹرش گنتھ اور اس کے بعد فرانس کے وزیر اعظم ریمونڈ بار نے عراق کا سفر اختیار کیا۔ بعد ازاں جاپان کا بین الاقوامی تجارت کا وزیر بغداد روانہ ہوا"۔

عراق نے حسن البکر کی بعثی حکومت کے برسر اقتدار آنے اور اشتراکی نظام کے اٹھ جانے کے بعد وسیع پیمانے پر کیمونسٹوں کی سرکوبی کا کام شروع کیا۔ ان دنوں مغرب کے لئے میدان خالی چھوڑتے اور بعثی حکومت کے ذریعے اشتراکیوں کی سرکوبی کرنے سے یہ تاثر ابھرا تھا کہ بغداد ماسکو سے دور ہٹتا جا رہا ہے تاکہ مغرب کی جھولی میں جا گرے مگر بعد ازاں یہ تاثر غلط ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ بغداد کی حکومت نہ صرف یہ کہ ماسکو کو نہیں چھوڑے گی بلکہ امپیریلزم کے دوسرے مظاہر یعنی امریکہ اور فرانس کو بھی بدستور گلے لگائے رکھے گی۔

صدام نے، جو کہ ان دنوں عراق کی نام نہاد انقلابی کونسل کا نائب صدر تھا، مغربی جرمنی کی ایک خبر رساں ایجنسی کو ۱۹۷۹ء میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا!

" حقیقت یہ ہے کہ امریکیوں کے برعکس روسیوں نے نہ تو کبھی عربوں کو خوار کیا ہے اور نہ ہی کبھی ان کے خلاف کوئی سازش کی ہے۔ اس کے باوجود ہمیں یہ امر کبھی مانع نہیں ہوگا اور جب کبھی عراق کے مفاد کا تقاضا ہوگا، امریکہ اور مغربی دنیا کے ساتھ دوستی کا خواستگار و طلبگار ہوگا۔

عراقی حاکموں کے یہ بیانات اور ان کی دورخی پالیسیاں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ عراق کی بعثی حکومتیں برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی سے ہمیشہ مشرق و مغرب کی بالادستی اور برتری کو تسلیم کرتی رہی ہیں اور ان کی یہ پرفریب سیاست اب بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر جاری و ساری ہے۔

بہرحال ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی اور مسلط کردہ جنگ نے ان چند جانبہ روابط کی پہلے سے کہیں زیادہ تقویت دی ہے۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو عراق اس بات کا خواہاں ہے کہ روس دوستی و تعاون کے اس معاہدہ کو جس پر ۱۹۷۲ء میں دونوں حکومتوں نے دستخط کئے تھے، مزید وسعت دے اور دوسری طرف مغربی ممالک خاص طور پر، امریکہ کے اعلیٰ حکام کی آمدورفت کی (جو کہ شش روزہ عرب اسرائیل جنگ کے دوران بظاہر منقطع ہو گئی تھی) ایک بار پھر حوصلہ افزائی کرے۔

مسلط کردہ جنگ سے سات ماہ قبل کارٹر کے حفاظتی امور کا مشیر برژنسکی عراق کی بعثی حکومت کے ارباب بست و کشاد کے ساتھ ملاقات کے لئے ایک ۲۸ گھنٹے کے مختصر مگر محرمانہ دورہ کے لئے بغداد آیا۔ اس دورہ کے اختتام کے فوراً بعد صدام نے امریکی رسالہ "ٹائم" کے نمائندے کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا!

"میری امریکہ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں اور چاہتا ہوں کہ میرے اس ملک کے ساتھ اچھے روابط ہوں کیونکہ اس موقع پر عراق کے عظیم طاقتوں کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات ہونے چاہئیں۔"

دو ماہ بعد یعنی مسلط کردہ جنگ سے پانچ ماہ قبل ماہ اردیبہشت ۵۹ ھ ش (ماہ اپریل ۱۹۸۰ء) میں کارٹر کے حفاظتی امور کے مشیر برژنسکی نے ایک انٹرویو کے دوران اعلان کیا۔

"ہمیں امریکہ اور عراق کے مفادات میں کسی قسم کے بنیادی تضادات نظر نہیں آتے اور نہ ہی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں عراق کے ساتھ معاندانہ روابط رکھنے چاہئیں۔"

امریکہ کے سابق وزیر امور خارجہ الیگزنڈر ہیگ نے بھی اردیبہشت ۱۳۵۹ ھ ش۔ ۱۹۸۰ء میں کہا۔

"امریکہ عراق کی خارجہ پالیسی میں کچھ مثبت قسم کی تبدیلیاں دیکھ رہا ہے۔"

یوں بغداد واشنگٹن روابط واضح سے واضح تر ہوتے چلے گئے۔

اسی تاریخ کو روس کے وزیر خارجہ آندرے گرومیکو نے بھی ماسکو میں اعلان کیا۔

"روس گوناگوں تعاون کے سلسلہ میں عراق کے ساتھ ۱۹۷۲ء کے معاہدہ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

جنگ کے آغاز سے ایک ماہ پہلے روزنامہ پراوُدا نے اپنے اداریہ میں ایران و عراق کے کشیدہ تعلقات پر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی مذاکرات کے ذریعہ صلح پر زور دیا۔

اسی زمانہ میں رنگین کی حکومت کے ایک ترجمان نے بھی ایران عراق روابط کے بارہ میں ایک انٹرویو کے دوران کہا۔

"ہم نے ہمیشہ دنیا میں صلح و صفائی کی حمائت کی ہے اور یقیناً ایران عراق کے کشیدہ روابط بھی ہمارے اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں"۔

۲۳ ستمبر ۱۹۸۰ء یعنی عراق کے سرزمین ایران پر عام حملے کے ۲۴ گھنٹے بعد روس عراق دوستی کی انجمن نے ماسکو میں اعلان کیا کہ ماہ اکتوبر (مہر ماہ) کے ایک دن کا نام "روس عراق دوستی کا دن" رکھا جائے گا اور اس سلسلہ میں تقریبات بھی منعقد کی جائیں گی۔

روس کے ان نام نہاد غیر جانبدارانہ اقدامات کے مقابلہ میں کارٹر نے بھی روس کے "امن پسندوں" کی آواز میں آواز ملاتے ہوئے جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد کہا۔

"ہمیں امید ہے کہ اس حملہ کے بعد اسلامی جمہوریۂ ایران کے ارباب بست و کشاد کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے اور ہمیں یہ بھی امید ہے کہ یہ جنگ ایران کو اس بات کا ضرور قائل کر دے گی کہ اسے صلح کر لینا چاہیئے"۔

چار سال کے عرصہ میں، جب سے اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ شروع ہوئی ہے، اب تک یعنی حکومت کے ۱۱۰ اعلیٰ سطح کے وفود روس عراق روابط کی تقویت و استحکام کے لیے ماسکو کا دورہ کر چکے ہیں اور ایسے ہر دورہ کے بعد ایران کی شہری آبادیاں ۹ یا بارہ میٹر لمبے روسی میزائیلوں کے حملوں یا روس کے (جو کہ دو ہمسایہ ممالک کے ساتھ غیر جانبدار اور خوشگوار اور پالیسی کا دعویدار ہے) مگ ۲۱ اور مگ ۲۵ لڑاکا طیاروں کی وحشیانہ بمباری کا نشانہ بن چکی ہیں۔

پہلا دورہ ۲۹/۷/۵۹ (۲۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء) میں جنگ کے آغاز سے ایک ماہ بعد عمل میں آیا جس کے دوران عراق کا اس وقت کے نائب وزیر اعظم اور بعثی حکومت کا موجودہ وزیر خارجہ، طارق عزیز، صدام کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے ایک دو روزہ دورہ پہ ماسکو میں وارد ہوا۔

دوسرا دورہ ۱۷ جون ۸۱ء میں عمل میں آیا جبکہ بعثی حکومت کی انقلابی کونسل کا رکن طہٰ یاسین رمضان روسی حکام بالا کی دعوت پہ عازم ماسکو ہوا، دو عراقی وزیر اور ایک نائب وزیر بھی اس سفر میں اس کے ہم سفر تھے۔

تیسرا دورہ ۱۴ جون ۸۲ء کو طارق عزیز کی سربراہی میں ہوا۔ اس دورہ میں بھاری اور جارحانہ اسلحہ کی ایک بہت بڑی مقدار کی فراہمی کے لیے میدان ہموار کیا گیا۔ اس اسلحہ میں مگ ۲۵ اور مگ ۲۷ جیسے بمبار طیارے بھی شامل تھے جو بعد ازاں عراق کو فراہم کیے گئے۔

چوتھا دورہ ۱۱ نومبر ۸۲ء روس کی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل برزنیف کی موت کے موقع پر کیا گیا جس کے دوران طہٰ یاسین رمضان نے، جو کہ اس وقت حزب بعث کا صدر تھا اور بظاہر آنجہانی برزنیف کی موت پر تعزیت کرنے کے لیے ماسکو گیا تھا، جدید طرز کے ٹینکوں ٹی -۷۲ کے حصول کے معاہدہ پہ دستخط کئے اور جس میں طے پایا کہ چالیس روز کے اندر اندر ٹینک عراق کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

پانچواں دورہ ۳۱ دسمبر ۸۲ء میں طہٰ یاسین رمضان کی زیر سرکردگی ہوا۔ اس دورہ کے چند ہی روز بعد ۱۲ میٹر طول کے دو میزائیلوں نے آدھی رات کے وقت دزفول کے لوگوں کو ان کے بستروں ہی میں خون میں لوٹ پوٹ کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وفد کے دورہ روس کے دوران خبر رساں ایجنسیوں نے بالعموم اور خبر رساں ایجنسی تاس نے بالخصوص جو کہ روس کے سرکاری ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے، اعلان کیا تھا۔

"بغداد اور ماسکو نے بعض ایسے فیصلے کئے ہیں جو ۲۷ ماہ لمبی جنگ کا خاتمہ کر سکتے ہیں"۔ اور روسیوں کا یہ استالنی اور مجرمانہ فیصلہ، جس نے غازی قصابوں کو بھی سرخرو کر دیا

تھا، دزفول کے لوگوں پر میزائیلوں کے حملہ سے بخوبی واضح ہوگیا اور اس سے مزید یہ بھی واضح ہوگیا کہ روس کے کٹار بندوں کی دوستی کا دعویٰ کس حد تک تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔

چھٹا دورہ ماہ فروردین ۱۳۶۲ھ ش بمطابق ۸۳ء میں بعث پارٹی کے ایک پارلیمانی وفد نے کیا اس وفد نے روسی اسمبلی کے فرسٹ سیکرٹری "ویزلی کوزنیف" اور کریملن کے دیگر راہنماؤں کے ساتھ ملاقات کی اور صدام کا تحریری پیغام روسی کمیونسٹ پارٹی کے صدر، یوری آندروپوف کے سپرد کیا جس میں دونوں ملکوں کے درمیان تعاون کے دائرہ کو وسیع تر کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔

ساتواں دورہ ۳۰ اپریل ۱۹۸۳ء میں عراق کے وزیر خارجہ طارق عزیز نے کیا۔ اس دورہ کے دوران روسیوں نے اعلان کیا کہ ایران و عراق کی ۳۱ ماہ طویل جنگ کے سلسلہ میں وہ بعثی حکام کے موقف سے متفق ہو گئے ہیں۔

آٹھواں دورہ ۲۶ جون ۱۹۸۳ء میں صبحی یاسین عراقی وزیر صنایع ومعاون، نے کیا۔ وہ بظاہر دونوں ملکوں کے صنعتی، اقتصادی اور تجارتی توسیعی کمیشن کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے عازم روس ہوا تھا، یاد رہے کہ یہ اجلاس چار سالہ جنگ کے دوران روس عراق تعاون وہمکاری کے مشترکہ کمیشن کا تیرھواں اجلاس تھا۔

نواں دورہ ۸ جولائی ۱۹۸۳ء کو عراق کے نوجوانوں کے وزیر کی سربراہی میں کیا گیا، وہ بعثیوں کے برسر اقتدار آنے کے پندرھویں سال کی تقریبات میں شرکت کے لئے ایک وفد کے قائد کی حیثیت سے ماسکو اور لینن گراڈ کے دورہ پہ گیا۔

دسواں دورہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۳ء کو عمل میں آیا جس میں طارق عزیز خود مسلط کردہ جنگ کے موضوع پہ روسی حکام کے ساتھ گفتگو کی غرض سے ایک اعلیٰ سطح کے بعثی وفد کے سربراہ کی حیثیت سے ماسکو گیا۔

روسیوں نے ان کئی ایک فوجی اور غیر فوجی معاہدوں کے علاوہ، جو کہ ان وفود کے ماسکو کے

دوروں کے دوران منعقد کئے گئے، ایک معاہدہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جہاز رانی کے بارہ میں ایک معاہدہ ۲۶ مئی ۱۹۸۳ء کو ریڈیو ٹیلی ویژن کی نشریات کے سلسلہ میں، ایک معاہدہ ۳ جولائی ۱۹۸۳ء کو اقتصادی، فنی اور علمی میدان میں اور ایک معاہدہ بحری نقل و حمل کے سلسلہ میں تعاون و ہمکاری کے میدان میں بھی منعقد کیا یہ سب معاہدے مختلف میدانوں میں روسیوں اور بعثیوں کی ہم فکری اور ہمکاری کو ظاہر کرتے ہیں۔

روسی حکام کے عراق کی بعثی حکومت کے ساتھ روابط کی توسیع کی حوصلہ افزائی کرنے کی بنیادی وجہ دراصل منطقہ، خلیج فارس کی امارات کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنے کا ایک بہانہ تھا، جس کی روسی حکام اپنی مشرق وسطیٰ کی سیاست کو مزید متحرک و فعال بنانے کے لئے سخت ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اس سیاست کو جس کی غیر متحرک ہونے کی وجہ سے حادثۂ لبنان کے رونما ہونے کے وقت ان کو ایک نمایاں جمود و تعطل سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

روس ایک مدت سے مشرق وسطیٰ اور خلیج فارس کی مغرب کے زیر تسلط حکومتوں کے ساتھ روابط کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں تھا اور اس کی اس پالیسی میں خصوصاً لئونیڈ برزنف کی زندگی کے آخری ایام اور اندروپوف کے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد مزید شدت پیدا ہوئی، روسی کوشش کر رہے ہیں کہ جنگ سے متعلقہ مسائل کے بارہ میں اس علاقہ کی حکومتوں کی پالیسی کے ساتھ اپنی پالیسی کو منطبق کر کے اور جنگ میں عراق کی بعثی حکومت کی مدد کر کے عرب ممالک میں اپنے پاؤں پسار یں اور اس پالیسی کی بنا پر روسیوں نے خود کو خلیج فارس کی حکومتوں کا، جنہوں نے عراق کو نجات دلانے کی خاطر من مانی شرائط پر اس کی ایران کے ساتھ صلح کرانے میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دی ہیں، ہمنوا بنا لیا ہے۔

کویت میں روسی سفیر نے، جو کہ خلیج فارس کے علاقہ میں روس کا اکلوتا سفیر ہے، ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے پالیسیوں کے اسی اشتراک سے استفادہ کرتے ہوئے روس کو ان علاقائی حکومتوں کے نزدیک تر لانے میں بہت کوششیں کی ہیں۔

دوسری طرف غدار تودہ پارٹی کی بدکاری، اس خیانت کار جماعت کے کارکنوں اور عہدیداروں کی گرفتاری اور اس کے فوراً بعد روسی سفارت خانہ کے اٹھارہ بلند مرتبہ جاسوس افسروں کی ایران بدری بھی روس کی طرف سے عراقی حکومت کی بے حساب و کتاب فوجی امداد اور اس کی نام نہاد غیر جانبدار حیثیت کو اعلانیہ و آشکار جانبدار حیثیت میں بدل دینے کا بہانہ بن گئی روس نے عراق کی بعثی حکومت کی امداد و حمایت کا جواز بہم پہنچانے کے لئے گذشتہ چار سال سے اب تک اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف تہمت زنی اور افترا پردازی کی صورت میں باقاعدہ طور پر پروپیگنڈہ مہم کو جاری رکھا۔ اس پروپیگنڈہ مہم نے خاص طور پر برزنیف کی موت اور ولادیمیر یوری آندرو پوف اس سے پیشتر روس کی جاسوسی تنظیم کا صدر تھا، کے برسر اقتدار آنے کے بعد اور زیادہ زور پکڑ لیا، جیسا کہ ریڈیو ماسکو نے ۱۸ مئی ۸۳ء کو ایک خبر پہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب ایران عملاً امریکہ کے کیمپ میں چلا گیا ہے۔ روس کے خلاف شور و غوغا کی ایک لہر نے بعض مغربی ممالک کو مکمل طور پہ اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس لہر نے ہر ملک میں روس کے سفارتی کارکنوں کے مسلسل اخراج کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور ایران میں بھی اسلامی جمہوریہ کے حاکموں کے توسط سے اسی منصوبہ پہ عمل درآمد ہو رہا ہے"۔

روزنامہ پراودہ ۲۵ مئی ۱۹۸۳ کو دعویٰ کرتا ہے۔ "ایران میں تودہ پارٹی کے اراکین سے ایذا رسانی کے وسائل اور مخصوص دواؤں کے استعمال کے ذریعہ جو کہ ساواک اور موساد، ایران اور اسرائیل کی جاسوسی تنظیموں، کے توسط سے حکومت ایران کو فراہم کی گئی تھیں ان کی، اشتراکی ہونے کا اعتراف کرایا گیا ہے"۔

ریڈیو ماسکو نے ۲۸ مئی ۸۳ء کو کہا۔

"ایران ایک صلیبی جنگ میں، جو کہ ریگن نے اشتراکیت کے خلاف شروع کر رکھی ہے، الجھا دیا گیا ہے"

اور ریڈیو تاجکستان نے ۱۰ جون ۸۳ء کو کہا!

"افغانستان کے حالات کی پیچیدگی اور کشیدگی کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان، حکومت افغانستان کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلاتے اور بے پر کی اڑاتے ہیں اور کرائے کے لوگوں کو امریکی معلموں کی نگرانی میں تعلیم دلاتے ہیں"۔

سوویٹ یونین نے اب تو ماسکو کے سابق راہنماؤں کی ظاہر سازیوں کو بھی، جو کوشش کرتے تھے کہ جنگ میں اپنے آپ کو غیر جانبدار ظاہر کریں، عمداً ایک طرف رکھ دیا ہے اور بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اپنے اجتماعی حلقوں میں جنگ میں بعثی حکومت کے موقف کی حمایت کرتا ہے۔

ایک مدت سے روس اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ بزعم خویش اسلامی جمہوریۂ ایران کو اس علاقہ میں الگ تھلگ کرنے کے لئے عراق اور شام کے روابط کو بہتر بنائے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل مثالوں کی طرف توجہ فرمائیں۔

ہفتہ وار رسالہ "المجلہ" نے ۱۵ جون ۸۳ء کو باخبر حلقوں کے حوالہ سے لکھا۔

"روس نے شام سے درخواست کی ہے کہ اسلامی جمہوریۂ ایران کو مختلف النوع اسلحہ کی فراہمی سے گریز کرے اور شامی پائپ لائینوں کے ذریعہ عراقی تیل کی برآمد کا راستہ کھول دے۔ اسی طرح روس نے شام سے یہ بھی درخواست کی ہے کہ اس ملک میں مقیم توڈہ پارٹی کے ایرانی کارکنوں کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے۔ روس کی یہ درخواست شام کی کمیونسٹ پارٹی کے صدر خالد بکتاش کے توسط سے اس ملک کی حکومت کو ارسال کی گئی ہے"۔

یونائیٹڈ پریس نیوز ایجنسی نے بھی ۱۱ جون ۸۳ء کو کرنل قذافی کے مشرق وسطیٰ کے ممالک کے دورہ کے سلسلہ میں اطلاع دی۔

" لیبیا کے راہنما نے اردن کے دورہ میں شاہ حسین کے ساتھ مذاکرات کے لئے اور اردن کے سرکاری حلقوں نے شام عراق اور اسی طرح شام اردن کے سرکاری حلقوں نے شام عراق اور اسی طرح شام اردن اختلافات کو دور کرنے پہ زور دیا۔"

ریڈیو قسطر نے ۸ مئی ۱۹۸۳ء کو اپنے خبروں کے بولٹین میں اطلاع دی۔

" آج اردن کے دارالخلافہ میں باخبر ذرائع نے بتایا کہ اس وقت شمالی شام کی بندرگاہ بانیاس کے راستے برآمد کرنے کے لئے عراقی تیل کو ایک بار پھر ملک شام سے گزارنے کے سلسلہ میں کوشش کی جارہی ہیں۔ ان ذرائع نے عمّان میں قطر نیوز ایجنسی کے نامہ نگار کو بتایا کہ عربوں کے دوستوں میں سے ایک عظیم ملک نے اس سلسلہ میں عراق و شام کی حکومتوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہے۔ ان ذرائع نے مزید بتایا کہ اب تک ان کوششوں کے نتائج مثبت نکلے ہیں۔"

بہر حال عربوں سے وابستہ حکومتوں پہ چھائی ہوئی غیر اسلامی فضا کی بنا پہ مذکورہ بالا خبروں کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن جو بات یقینی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام خبریں، خواہ صحیح ہوں خواہ غلط، کریملن کے حکمرانوں کی طرف سے حکومت بغداد کی فاشیسٹوں جیسی پالیسیوں کی بے چون وچرا حمایت کو ضرور واضح کرتی ہیں۔

روس نے ایران میں تودہ پارٹی کے ٹوٹنے کے بعد ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اس اقدام کے اپنے شدید ردعمل کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے زیر تسلط اشتراکی حکومتوں کے اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ روابط کو خراب سے خراب تر کر دے اور شائد نا وابستہ ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس کے آٹھویں اجلاس میں کیوبا کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے حکومت عراق کے موقف کی حمایت بھی انہی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

امریکہ بھی عراق کی سیاسی، عسکری اور اقتصادی امداد میں اپنے حریف سے ہرگز پیچھے نہیں رہا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں شیطانی طاقتیں، دنیا میں جہاں کہیں بھی اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوئی تحریک چلتی ہے یا جہاں کہیں بھی کسی حریت پسند قوم کی آزادی کی جنگ جاری ہوتی

بھرپور شرکت کرتی ہیں اور اس سلسلہ میں مکمل طور پر اتفاق رائے رکھتی ہیں۔

ماہ بہمن ۵۹ ھ ش یعنی ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ کے آغاز سے تقریباً چار ماہ بعد امریکہ نے حکومت عراق کا نام دہشت پسندی کے حامی ممالک کی فہرست سے حذف کر دیا تاکہ ملک عراق کے پاس امریکہ کے ہر قسم کے فوجی ساز و سامان کی فروخت کا جواز نکل سکے یہ اقدام اردن کے شاہ حسین کی سیاسی کوشش اور اس کی امریکہ کے وزیر جنگ کے ساتھ ملاقات کے نتیجہ میں عمل میں آیا۔

امپیریلزم کے اس فیصلہ کے فوراً بعد امریکہ نے چار آواکس طیارے (اڑنے والے راڈار) سعودی عرب کو فراہم کے لئے یہ آواکس طیارے جو کہ بظاہر مشرق وسطیٰ اور خلیج فارس کے تیل پیدا کرنے والے علاقوں میں امریکہ اور مغرب کے مفادات کے تحفظ کے لئے سعودی عرب کے سپرد کئے گئے مگر درحقیقت یہ اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف عراق کی جنگ کے دوران امریکہ کے جاسوس طیاروں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

بعدازاں معلوم ہوا کہ یہی آواکس طیارے ہیں جو اکثر بیشتر فوجی اطلاعات سعودی عرب کے توسط سے بغداد کی نوکر صفت حکومت کو مہیا کرتے ہیں۔ فوجی ساز و سامان اور آواکس طیاروں پر سعودی دربار کے ساڑھے آٹھ کروڑ ڈالر خرچ ہوئے۔

عراق کے دہشت پسندی کے حامی ممالک کی فہرست سے اخراج کے فوراً بعد امریکی کانگرس نے فیصلہ کیا کہ چھ سے بارہ تک باربرداری کے لئے استعمال ہونے والے "لاک ہیڈ" نام کے ٹرانسپورٹ طیارے عراق کے پاس بیچے۔ یہ طیارے سی۔ ۱۳۰ طیاروں کی ایک غیر فوجی قسم ہیں اور جنگی محاذوں پر سی۔ ۱۳۰ طیاروں کی مانند عمل کر سکتے ہیں۔

سردست لیبیا، شام اور جنوبی یمن بدستور دہشت گردی کے حامی ممالک کی فہرست میں شامل ہیں یاد رہے کہ کارٹر نے ۱۳۵۸ھ ش / ۱۹۷۹ء میں ان ممالک کو، جو کہ اس کے خیال میں دہشت گردی کے حامی ہیں، بعض خاص قسم کے ساز و سامان، خاص طور پر فوجی طیاروں کی برآمد روکنے کے لئے

یہ فہرست تیار کی تھی۔

امریکی حکام بالا کی نظر میں مصر ملک جو شیطانی طاقتوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے اور صحیح معنوں میں اپنے آزادی کا خواہاں ہو یا دہشت پسند قرار پاتا ہے یا انسانی حقوق کا مخالف اس کے نزدیک صیہونی حکومت (جس کے وجود کی بنیاد ہی دہشت گردی اور مردم کشی پر رکھی گئی ہے اور جس نے اسی ذریعہ سے اظہار وجود کیا ہے) ہرگز دہشت انگیز ممالک کی صف میں نہیں آتی۔ لیکن جنوبی یمن، شام، لیبیا وغیرہ جیسے ممالک، جن کا واحد گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اسرائیل کی دہشت پسند، حکومت اسرائیل کے خلاف ایک پائیدار اور استوار قسم کا محاذ تشکیل دے رکھا ہے، سب کے سب دہشت پسند ہیں، دنیا کی خوفناک ترین پولیس فورس یعنی سیاوکا اور گ۔ب، جس کی نمایاں ترین وجہ امتیاز ان کی دہشت پسندانہ ہیئت ہے، دہشت پسند نہیں ہیں لیکن وہ اقوام جن کی موجودیت اور ارضی سالمیت چار دانگ عالم میں ان دوزخی تنظیموں کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کی نذر ہو رہی ہیں، دہشت پسند ہیں!)

اس ستم ظریفی کا ایک دلچسپ پہلو، جس سے ہمیں آگاہ ہونا چاہیئے، یہ ہے کہ وہ گن نے (بعض ملکوں کو دہشت پسند قرار دینے کا) یہ قدم اس وقت اٹھایا جب کہ لندن اور بیروت میں عراقی سفارتخانوں نے دہشت انگیزانہ اور تخریب کارانہ کاروائیاں کیں اور ہندوستان سے عراقی ڈپلومیٹ ریوالور سے فائرنگ اور دیگر دہشت پسندانہ سرگرمیاں انجام دینے کے جرم میں نکالے گئے۔ بیروت میں اس حکومت کے سفارت خانے میں بہت بھاری مقدار میں دھماکہ خیز مواد کی موجودگی (جو کہ دہشت انگیزانہ سرگرمیاں انجام دینے کے لئے رکھا گیا تھا[1]) حکومت بغداد کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کی ایک نمایاں اور درخشاں مثال ہے۔

---

[1] آخرکار یہ دھماکہ خیز مواد پھٹ گیا اور سفارت خانہ کی شش منزلہ عمارت زمین بوس ہو گئی۔

اس کے باوجود ریگن کی حکومت نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ وہ اب صدام کی حکومت کو دہشت پسند نہیں سمجھے گی، یہ بات طے شدہ ہے کہ ۳ اکتوبر ۱۹۸۱ء سے یعنی عراق کے اس وقت کے وزیر خارجہ سعدون حمادی کے دورۂ امریکہ کے بعد سے بغداد اور واشنگٹن کے سفارتی تعلقات محکم سے محکم تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ سعدون حمادی بظاہر ایک نجی دورہ پر امریکہ گیا تھا، مگر درحقیقت اس نے امریکی حکام بالا کے ساتھ ملاقات کی اور یہ خواہش کی کہ "امریکہ مشرق وسطیٰ کے بارہ میں ایک متوازی پالیسی اختیار کرے"

رونالڈ ریگن نے ۲۲ جولائی ۱۹۸۲ء کو عراق کی بعث پارٹی کے برسر اقتدار آنے کی چودھویں سالگرہ کی مناسبت سے صدام کے لئے مبارکباد کا پیغام ارسال کیا جو کہ مغربی سفارتی حلقوں کے نقطۂ نظر سے معمول کے عام پیغامات سے ہٹ کر تھا اور ان کے خیال میں اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ (عنقریب) عراق امریکہ تعلقات کا ایک نیا باب شروع ہونے والا ہے۔ یہ پیغام ارسال ہونے کے فوراً بعد امریکی کانگرس کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے اراکین پر مشتمل پارلیمانی وفد نے عراق کا دورہ کیا۔

مذکورہ وفد بحرالکاہل اور ایشیائی امور کی ذیلی کمیٹی کے صدر "سٹیون شلرز" کی سربراہی میں بغداد آیا۔ جس نے عراقی حکام بالا کے ساتھ ساتھ صدام اور عراقی پارلیمنٹ کے اسپیکر کے ساتھ بھی مذاکرات کئے۔

"سٹیون شلرز" عراق، اسرائیل، لبنان اور مصر کا دورہ کرنے کے بعد بغداد میں وارد ہوا۔ اس بات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ شخص امریکی کانگرس میں اسرائیل اور بین الاقوامی صیہونزم کے انتہائی جانبدار اور وفادار حامیوں اور طرفداروں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی سفر کے دوران یہ راز بھی فاش ہوا کہ عراق اور امریکی کانگرس کے ممتاز اراکین کے درمیان اس مسلط کردہ جنگ کے تازہ ترین حالات و تحولات بھی زیر بحث آئے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ لبعثی حکام عام طور پر عراق کے اعلیٰ سطح کے وفود کے امریکی دورہ کی خبر نشر نہیں کرتے اور وہ خبریں، جو اس حکومت کے واشنگٹن کے ساتھ روابط کے بارہ میں نشر ہوتی ہیں، عموماً مغربی مطبوعات اور ذرائع ابلاغ کے حوالے سے نشر ہوتی ہیں
اور خود یہ ذرائع ابلاغ بھی اپنی خبریں امریکی ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔

اس رابطہ کا یوں بھی تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ اصولاً لبعثی حکام کے پے در پے روسی، دوروں کی، جو کہ روس اور عراق کے دس سالہ معاہدۂ تعاون و ہمکاری کا جس کی ہر سال تجدید و تمدید ہوتی ہے، بدیہی نتیجہ ہیں) توجیہہ کی جا سکتی ہے لیکن لبعثی حکام کے امریکی دوروں کے بارہ میں اس بنا پر کہ ممکن ہے ایک طرف اس کے روس کے سات تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنیں اور دوسری طرف اس لئے کہ شاید خود عراق کے اندر عراقی عوام کے لئے یہ دورے قابل توجیہہ نہ ہوں، شاذ و نادر ہی اعلان کیا جاتا ہے اور اعلان کی صورت میں بھی ان کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے۔ لہٰذا لبعثیوں کے اکثر امریکی دورے خفیہ ڈھکے چھپے انداز میں یا کچھ اور بہانوں سے کئے جاتے ہیں۔[1]

لبعثی حکام کی امریکی حکام کے ساتھ ملاقاتوں کے بارہ میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ لبعثی حکومت کے سابق وزیر خارجہ کے اس انٹرویو کو پیش نظر رکھیں، جو اس نے ماہ آباں ۶۱ ھ ش میں دیا تھا۔

سعدون حمدون، عراق کے سابق وزیر خارجہ، نے ۱۹۸۲ء کو پیرس کے عربی رسالہ "الوطن العربی"۔ کے ساتھ انٹرویو کے دوران اس سوال کے جواب میں کہ "پریذیڈنٹ صدام حسین اور رونلڈ ریگن اور خود آپ اور لیگز ندار ھیگ[2] کے درمیان جو وقتاً فوقتاً ٹیلگراموں کا تبادلہ ہوا ہے اس کی آپ کیسے تعبیر و تفسیر کریں گے؟" کہا:

---

[1] مثلاً عراق کے اول نائب وزیر اعظم طہ یاسین رمضان کی امریکہ کے وزیر جنگ کے ساتھ جو ملاقات ۶۰/۱۱/۲۰ کو سعودی عرب کے پایۂ تخت ریاض میں ہوئی اس کے بارہ میں اس وقت خبر رساں ایجنسیوں اور مطبوعات نے کہا تھا کہ عراقی وفد سعودی حکام سے ملاقات کے لئے سعودی عرب آیا ہے!

[2] امریکہ کی اس وقت کی وزیر خارجہ۔

"دونوں ممالک کے درمیان روابط پہلے سے بہتر ہو گئے ہیں اور یہ پہلی بار نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے مبارکباد کے ٹیلیگرام بھیج رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے اس سے پہلے مسٹر وانس کے ساتھ بھی ملاقات کی ہے، پیرس میں ہنری کسنجر اور الگزینڈر ہیگ کے ساتھ بھی میری نشستیں ہوئی ہیں اور اکثر و بیشتر جارج شولٹز سے بھی ملتا رہتا ہوں، کئی ایک امریکی وفود بھی بغداد آتے رہے ہیں اور ہم ان کو خوش آمدید کہتے رہے ہیں۔ جب بھی کوئی امریکی عہدیدار مجھ سے ملاقات کی خواہش کرے گا میں اس کی دعوت کو بلا تأمل قبول کروں گا اور جب وہ ہمارے ہاں آنے کی خواہش کریں گے میں ان کو خوش آمدید کہوں گا۔

عراق اور ریاستہائے متحدۂ امریکہ کے روابط نے ۱۹۸۲ء کے اواخر سے، جب صدام نے رسمی طور پر امریکہ سے اس جنگ کو روکنے کے لئے سنجیدگی کے ساتھ وارد عمل ہونے کی درخواست کی، پہلے سے کہیں زیادہ وسعت پیدا کر لی۔

مذکورہ بالا انٹرویو کے فوراً بعد امریکی روزنامہ واشنگٹن ٹائمز نے ۲۵-۱۲-۸۲ء کے شمارہ میں امریکہ اور نیٹو کے رکن ممالک کے رسمی اور اعلانیہ اتحاد کی خواہش ظاہر کی، اس روزنامہ نے اعتراف کیا کہ جنگ میں ایران کی کامیابی امریکہ (جو کہ اس منطقہ میں ایک ممتاز سیاسی حیثیت کا مالک ہے) کے مفادات کو خطرہ میں ڈال دے گی لہٰذا اس کو چاہیئے کہ عراقی حکومت کی ہمہ جہت حمایت و امداد کر کے اس جنگ میں ایران کو کسی قیمت پر کامیاب نہ ہونے دے۔

امریکہ کی طرف سے عراق کی حمایت و اعانت صرف سیاسی سطح تک ہی محدود نہیں بلکہ اقتصادی سطح پر بھی اس کے اکثر و بیشتر مفادات عراق سے وابستہ ہیں اور مسلط کردہ جنگ کے بعد سے اب تک اس کی عراق کے لئے برآمدات کا حجم ہمیشہ روز افزوں رہا ہے۔

عراق کے لئے امریکی ساز و سامان کی صد سالہ برآمدات کے اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالنے سے عراق کی امریکہ کے ساتھ اقتصادی وابستگی اور پیوستگی کے میزان کو خصوصاً مسلط کردہ جنگ کے دوران، بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ امریکہ کی عراق کے لئے برآمدات کا میزان ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۴۴۲ ملین ڈالر ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۷۲۴/۳ ملین ڈالر اور ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۹۱۳/۶ ملین ڈالر تھا۔

گذشتہ دس سال سے اب تک بڑی بڑی امریکی کمپنیاں، کارٹل اور ٹرسٹ حکومت عراق کی موافقت اور تشویق سے اس ملک میں وسیع پیمانہ پر اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔

امریکہ و عراق کی مشترکہ سرکاری وغیر سرکاری کمپنیوں کی تعداد ۱۹۷۹ء تک ۴۴ بڑی کمپنیوں تک جا پہنچی جس میں اس کے بعد بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہا۔ بیسیوں امریکی کمپنیوں نے ۱۳۵۹ھ ش میں بغداد میں منعقد ہونے والی عراق کی تجارتی نمائش گاہ میں شرکت کی۔ عراق کی امریکی درآمدات میں ۱۹۶۷ء سے اب تک مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر یعنی ۱۹۶۷ء میں عراق کی امریکی درآمدات کی رقم ۱۸۳/۵ ملین ڈالر سالانہ تھی جبکہ ۱۹۷۹ء میں یہ رقم ۴۰۶۵ ملین ڈالر تک جا پہنچی۔

بدیہی امر ہے کہ امریکہ و عراق کے درمیان ان وسیع اقتصادی اور تجارتی روابط کے مقابل جو کہ گذشتہ چار سال کے عرصہ میں صورت پذیر ہو رہے ہیں، سیاسی روابط کیسے سرد اور خشک ہو سکتے۔ جیسا کہ پیچھے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ روبہ افزائش روابط اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ ایک طرف سے ایک اعلیٰ سطح کا عراقی وفد زرعی پیداوار کی خرید کے لئے واشنگٹن گیا اور دوسری طرف سے ایک ایسا ہی امریکی وفد بھی عراقی حکومت کے لئے امریکی قرضوں کی رقم میں ۴۵۰ ملین ڈالر تک اضافہ کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے بغداد آیا[۱] اور پھر اس کے دو ماہ بعد حکومت بغداد کے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے ۱۹۸۳ء کے اوائل میں پیرس میں امریکہ کے وزیر خارجہ جارج شولٹز کے ساتھ ملاقات کی۔

---

[۱] روزنامہ جمہوری اسلامی، شمارہ ۲۸ بہمن ۶۱ ھ ش (بحوالہ روزنامہ واشنگٹن پوسٹ)

"طارق یوحنا عزیز" نے ایک انٹرویو میں، جو اس نے شولٹز کے ساتھ ملاقات کے بعد دیا۔ ہر امریکی عہدیدار کو، جو اعلانیہ اس ملک کا دورہ کرنا چاہے۔ خوش آمدید کہنے کے لئے عراقی حکومت کی آمادگی کا اعلان کیا اور شولٹز کے ساتھ اپنی "تازہ ترین ملاقات کے نتائج پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

" میں ہمیشہ سے اس موقع کا منتظر تھا اور اس کے بعد بھی ایسی مفید اور سودمند ملاقاتوں کے لئے حاضر و آمادہ ہوں"۔

طارق میکائیل یوحنا عزیز نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اس نے شولٹز کے ساتھ ملاقات کے دوران ایران عراق جنگ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیا اور بغداد کا نقطۂ نظر اس کے سامنے پیش کیا ہے اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس نے اس دورہ کے دوران ایک بار پھر مسلط کردہ جنگ کے بارہ میں مشرق و مغرب کے اس خفیہ گٹھ جوڑ پر سے پردہ اٹھا دیا جس پر ہم شروع سے ہی زور دیتے چلے آرہے ہیں اور جو بجائے خود ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ہے۔

اس نے واضح طور پر اعلان کیا۔

" اب ماسکو بھی جنگ کے بارہ میں ہمارے موقف کو پہلے سے بہتر طور پر سمجھنے لگا ہے۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ اس سلسلہ میں اب امریکہ اور روس کے نظریات میں بھی ہم آہنگی پیدا ہوتی جا رہی ہے"۔

۶۳ء ماہ مرداد ۶۲ ھ ش میں امریکہ کے بارہ[12] فوجی مشیر بغداد میں وارد ہوئے تاکہ عراقی ہوابازوں کی تربیت کا کام شروع کریں۔ مجلہ "نیوز ویک" نے، جس نے اس خبر کو نشر کیا، لکھا:

" کم از کم بارہ امریکی ماہرین کی آمد سے ساٹھ امریکی ہیلیکاپٹروں کو، جو کہ بعثی حکومت کے ہاتھ بیچے اور اس کے سپرد کئے گئے ہیں، اڑانے کے لئے عراقی پائلٹوں کی تعلیم و تربیت شروع ہوگئی ہے۔"

شائع ہونے والی بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض امریکی کمپنیاں ایک عرصہ سے عراق سے اردن کی بندرگاہ عقبہ تک ایک عظیم پائپ لائن بچھانے کے لئے تحقیقات کر رہی ہیں۔ اسی طرح امریکی ماہرین عراق کے مغربی اور حکومت عراق کے زیر حفاظت حصہ میں پائے جانے والے تیل کے نئے ذخائر تلاش کرنے میں اس کی مدد کر رہے ہیں۔

لاکھوں بے گناہ ایرانی مسلمانوں کے گھر اس طرح صدّام کو عطیہ کردہ مشرق و مغرب کے جدید ترین ہتھیاروں کا نشانہ بنے۔ لیکن ہمارے مجاہد عوام اپنے عزم و حوصلہ کے ذریعے ان کی تعمیرِ نو میں مصروف ہیں۔

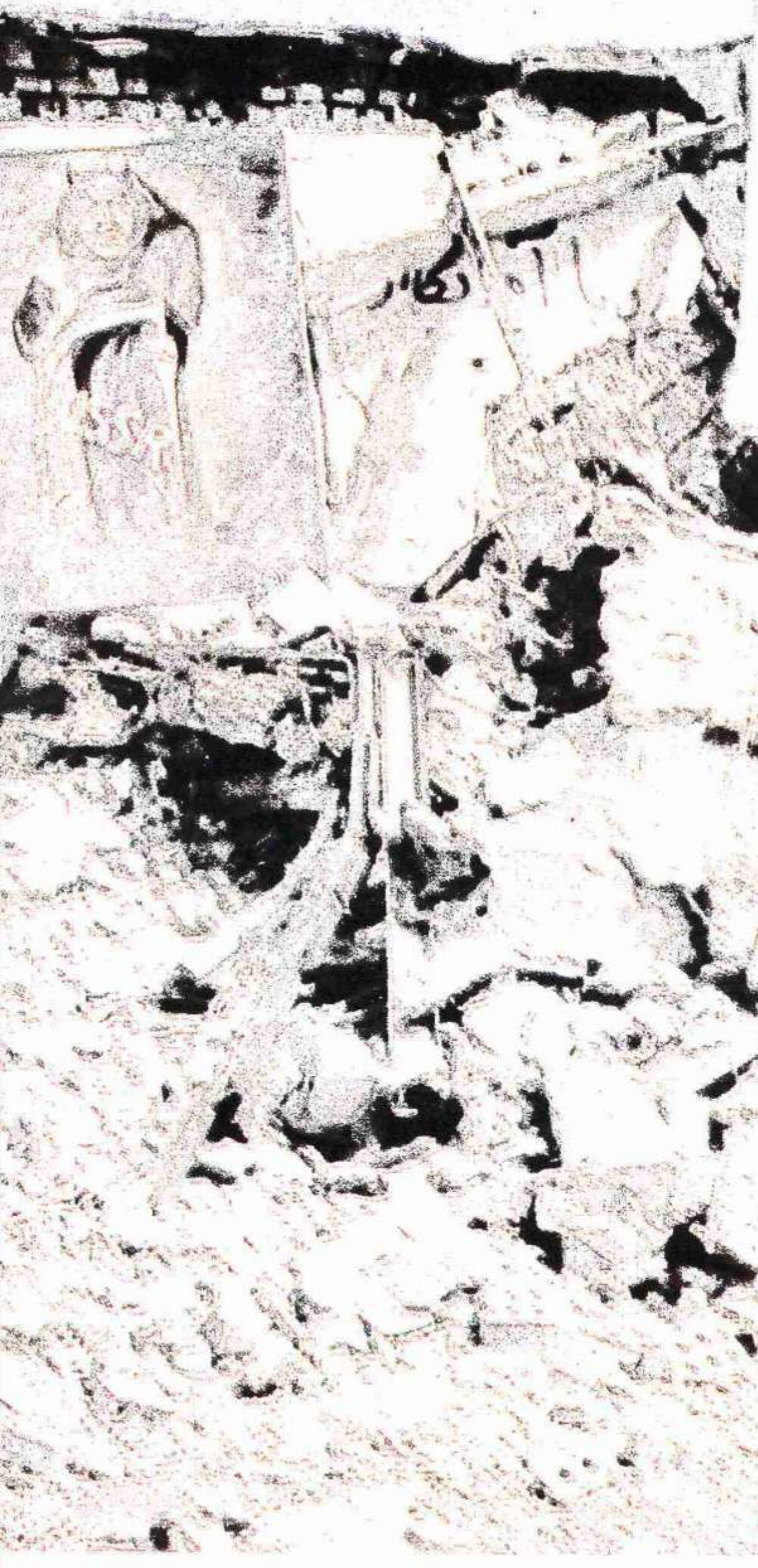

فصل سوم

جنگ اور بعثی حکومت کا نیٹو اور وارسا پیکٹ کے ساتھ ارتباط و اتحاد

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں روس اس مسلط کردہ جنگ میں عراقی حکومت کو مطلوبہ جنگی ساز و سامان کی فراہمی کا ایک نمایاں اور ممتاز ضامن شمار ہوتا ہے اور اس جنگ کے ابتدائی ایام سے ہی بھاری اسلحہ، جو خاص طور پہ زمین سے زمین کی طرف مار کرنے والے میزائیلوں، مگ ۲۲، مگ ۲۵ اور کچھ ٹوپولوف لڑاکا طیاروں پہ مشتمل تھا عراق کے فوجی اڈوں کی طرف بسرعت تمام رواں دواں رہا ہے۔

روس ۸۱ ـ ۱۹۸۰ء کے درمیانی عرصہ میں عراق کو اسلحہ پہنچانے کا کام کسی تیسرے ملک کے توسط سے انجام دیتا تھا، روسی حکام تین متوقع حادثات کی روک تھام کے لئے عراق کی اسلحہ سے متعلق احتیاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے سلسلہ میں خود کو اخلاقی طور پہ پابند سمجھتا تھا۔

۱ ـ اگر روسی جنگی ساز و سامان عراق کو نہ ملتا، تو ممکن تھا یہ ملک مغرب کے تسلیحاتی مراکز کی طرف رجوع کرتا، یاد رہے کہ ایک ملک کی دوسرے ملک کے ساتھ تسلیحاتی وابستگی اور پیوستگی اس ملک کے لئے دوسرے ملک کی سیاسی اور عسکری بالادستی کو قبول کرنے کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔

۲ ـ روس کو یہ خدشہ تھا کہ عراق اپنی تسلیحاتی کمزوری کے نتیجہ میں ایران کے مقابلہ میں

میں شکست و ہزیمت کے خطرہ سے دوچار ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں صدام اور حزب بعث کے سقوط کے باعث عراق میں اس کے مفادات کو کئی طرح کی اشکالات اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۳۔ مسلط کردہ جنگ میں ایران کی کامیابی سے اسلامی جمہوریۂ ایران کی فتح وکامیابی سے سے مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں اس کی موقعیت وحیثیت پہلے کی نسبت زیادہ مستحکم ہو جائے گی کیونکہ روسیوں کی نظر میں ایران کو اس جنگ میں الجھائے رکھنا اس امر کا باعث ہوگا کہ یہ اسلامی جمہوریۂ مسئلہ افغانستان کو حل کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ کوئی قدم نہیں اٹھا سکے گی۔

جنگ شروع ہونے کے صرف دو ہفتہ بعد روسی سفیر وینوگرادوف کی اسلامی مجلس شوریٰ کے سپیکر حجت الاسلام والمسلمین ہاشمی رفسنجانی کے ساتھ ملاقات اور اس میں اٹھائے جانے والے مسائل ونکات اور مذاکرات سے پتہ چلتا ہے کہ روس مسلط کردہ جنگ کے بعد مسئلۂ افغانستان کے خاتمہ کے بارہ میں پہلے سے زیادہ سکون واطمینان سے بہرہ مند ہو گیا ہے۔ روسی سفیر اس ملاقات میں اسلامی جمہوریۂ ایران سے افغانستان کے حکام کے ساتھ مذاکرات کی دعوت کو رد کرنے کے سلسلہ میں گلے شکوے کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ مسئلہ افغانستان اور وہ مسائل، جو اس کے افغانستان پر فوجی قبضہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں، جلد حل ہو جائیں گے۔ اور اس ملک میں حالات معمول پر آ جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ روس نے عراق پر سرزمین ایران سے اپنی افواج کو باہر نکالنے کے لئے ہرگز دباؤ نہ ڈالا اور اس کے اسلامی ملک ایران کے خلاف جارحیت کے ارتکاب اور اس کے سرحدی شہروں پر غاصبانہ قبضہ کی مذمت نہ کی۔

درحقیقت مشرق وسطیٰ میں سوویٹ یونین کی سیاست ۱۹۸۲ء کے اوائل تک ہمیشہ ایک مشکل دوراہے سے روبرو رہی ہے۔ ایک طرف تو عراق کے مغربی اسلحہ کی خاطر جو نسبتاً زیادہ محبوبیت ومقبولیت سے بہرہ مند ہے مغرب کی طرف جھک جانے کا خوف جو آخر کار عراق

پر مغرب کے تسلط پہ منتج ہو سکتا تھا۔ روس کی اپنے توسط سے جنگ کے خاتمہ کی خواہش کی ایک محرک تھا اور دوسری طرف اسلامی جمہوریہ ایران کو افغانستان کے مسئلہ پہ اس کی پوزیشن کو کمزور کرنے کی غرض سے جنگ میں الجھائے رکھنا، اس کی طرف سے آتشِ جنگ کو بھڑکانے کا ایک دوسرا محرک تھا۔ چونکہ روسیوں کے نقطۂ نظر سے مسئلہ افغانستان ایک مخصوص اہمیت کا حامل تھا۔ روسی حکام نے مسئلہ ایران و عراق میں امریکی حکام کے ساتھ ایک نامسعود ملاپ اور نامبارک گٹھ جوڑ کر کے نسبتاً نرم پالیسی کو اپنایا، روسی اسلحہ کے ساتھ ساتھ اس ملک کے لئے مغربی اسلحہ کی ترسیل کو بھی گوارا کیا اور لبنان میں صیہونی حکومت کی سفاکانہ جارحیت اور اس اسلامی ملک میں معاہدۂ نیٹو کی افواج کے داخلہ پہ بھی خاموشی اختیار کر لی تاکہ دوسری طرف باطمینان خاطر افغانستان میں اپنی افواج کی تعداد کو ستر ہزار سے بڑھا کر ایک لاکھ تک پہنچا دیں اور پہلے سے زیادہ شقاوت و سنگدلی کے ساتھ وہاں کے مسلمانوں کو کچلنے پر توجہ دے سکیں۔

ایک طرف عراق کو روس کی وسیع پیمانہ پہ فوجی امداد تین ممالک چیکوسلواکیہ، پولینڈ، بلغاریہ اور وارسا پیکٹ سے وابستہ ممالک کے اسلحہ کے ذخیروں سے فراہم کی جاتی تھی اور دوسری طرف روس و عراق کے سیاسی اکابر اپنی ہر ملاقات کے دوران عراق کی بعثی حکومت کے مشرقی بلاک کے ممالک کے ساتھ روابط کی توسیع و تحکیم پہ زور دیتے تھے۔ جیسا کہ بعض خبروں سے معلوم ہوا ۵۹ اور ۱۹۸۰ء کے درمیانی عرصہ میں فوجی معاہدہ وارسا سے وابستہ ممالک کے وزرائے دفاع کے سالانہ اجلاسوں کے دوران جو کہ بند دروازوں کے پیچھے منعقد ہوتے تھے، ہر بار اس مسلط کردہ جنگ اور عراق کی فوجی امداد میں توسیع کی ضرورت کے موضوع پہ بھی بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔

عراق کی بعثی حکومت کا فوجی تنظیم "وارسا" کے ساتھ رابطہ کبھی تو براہ راست روس اور کبھی بالواسطہ طور پہ سعودی حکومت کے توسط سے برقرار اور استوار ہوتا رہا ہے۔ سعودی عرب نے ۸۶ء تک کے دوران تین ملکوں، چیکوسلواکیہ، پولینڈ اور بلغاریہ سے مبلغ ۶۰ ملین ڈالر کا ہلاکت خیز اور تباہ کن اسلحہ، جس میں نو میٹر لمبے میزائیل بھی شامل تھے، خرید کر حکومت بغداد کی تحویل

میں دیا ہے[۱]، جہاں تک جنگی ہوائی جہازوں کی خریداری کا تعلق ہے، اگرچہ اب حکومتِ عراق کا رابطہ وارسا پیکٹ سے متعلقہ ممالک سے قدرے کم ہو گیا ہے لیکن پھر بھی یہ رابطہ عظیم میزائیل "فراگ" کی خریداری کے مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے اور عراق ان دیو پیکر میزائیلوں کو اب تک، بین الاقوامی سلامتی کے اداروں کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے، کئی بار اسلامی جمہوریہ ایران کے شہروں میں رہائشی علاقوں کے خلاف استعمال کر چکا ہے، جبکہ روسی سال رواں کے اوائل میں یہ میزائیل عراق کے حوالے کرتے ہوئے بخوبی جانتے تھے کہ بعثی حکام اس اسلحہ کو کس طرح سے استعمال کریں گے۔

حکومت عراق نے وارسا پیکٹ میں شامل ملکوں کے ساتھ ہی ساتھ فرانس کی سوشلسٹ حکومت کے توسط سے نیٹو کے فوجی معاہدہ میں شریک ملکوں کے ساتھ بھی رابطہ برقرار کر رکھا ہے اور اب تک وہ حکومت فرانس سے، جو کہ فوجی لحاظ سے نیٹو کے اہم ترین اراکین میں شمار ہوتا ہے کئی قسم کے ہوائی جہاز، میزائیل اور دور تک مار کرنے والی توپیں حاصل کر چکا ہے۔

اسی طرح عراق پر مغربی اسلحہ نچھاور کرنے کے لئے امریکہ اور روس کی ملی بھگت کے بارہ میں امریکی خبر رساں ایجنسی یونائٹڈ پریس نے اطلاع دی۔

ایک اعلیٰ سطح کا تین افراد پر مشتمل عراقی وفد تیس "ھاک" لڑاکا ہوائی جہازوں کی خریداری کے لئے انگلستان آیا ہے"۔

اسی ایجنسی نے آگے چل کر مزید لکھا!

"حکومت انگلستان نے حال ہی میں بیس "چیفٹین" ٹینکوں کی فراہمی کے سلسلہ میں حکومت عراق کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا ہے"۔

اور دوسری طرف اس ایجنسی نے مارچ ۱۹۸۲ء میں لندن سے اطلاع دی۔

"انگلستان کی رجعت پسند حکومت کے سرکاری حلقوں نے تیس "ھاک" لڑاکا طیاروں اور ٹینکوں کے اضافی پرزوں کی فروخت کے بارہ میں عراقی حکومت کے ساتھ معاہدہ کی رسمی منظوری

---

[۱] بحوالہ۔ نشریہ "الشراع" مطبوعہ، بیروت۔

دے دی ہے، انہی حلقوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ حکومت عراق کوشش کر رہی ہے کہ "المفا" جیٹ لڑاکا طیارے بھی جو کہ فرانس اور انگلستان کی مشترکہ کاوش ہے، خرید لے"۔

اسی طرح حکومت انگلستان نے سال ۱۹۸۲ کے اکتوبر، نومبر میں حکومت عراق کو ۲۷۵ ملین ڈالر کا قرضہ بھی دیا۔

عراق اور نیٹو کی تنظیم میں شامل ملکوں کے درمیان معاہدوں کا میزان بہت وسیع اور بے مثال ہے یہانتک کہ مغربی ذرائع ابلاغ کے بقول عراق مغربی ممالک کے اسلحہ کا سب سے بڑا خریدار بن چکا ہے، یہانتک کہ سعودی عرب سے بازی لے گیا ہے۔ حکومت عراق نے صرف ۱۹۸۲ء میں مغربی جرمنی سے ۷ر۶ ارب مارک کا جنگی ساز و سامان خریدا۔ مجلۃ الاسبوع العربی نے بھی اپنی ۸۱/۱۲/۲۹ء کی اشاعت میں ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا!

نیٹو کے بنیادی رکن فرانس نے عراق کو غذائی مواد فراہم کرنے کے سلسلہ میں پہلا مقام حاصل کر لیا ہے، یہانتک کہ عراق اور فرانسیسی کمپنیوں کے درمیان طے پانے والے تمام معاہدوں کی رقم ۱۹۸۱ء میں ۷/۴ ارب ڈالر تک جا پہنچی ہے۔

دوسری طرف جاپان، انگلستان، بلجیم، ہسپانیہ اور آسٹریا نے بھی عراقی حکومت کے ساتھ اقتصادی اور تجارتی میدان میں بڑے وسیع پیمانہ پر معاہدات کئے ہیں۔

غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کی اطلاع کے مطابق اطالیہ کی حکومت نے بھی، جو کہ معاہدۂ نیٹو میں شامل ہے ۲۲ رمئی ۱۹۸۲ء کو گیارہ عدد جنگی بحری جہاز اور ایک عدد آئل ٹینکر کے لئے، متحرک بندرگاہ، جس کی قیمت مبلغ ۱۸۰۰ ملین ڈالر ہے، عراقی حکومت کو برآمد کی۔

حکومت جاپان نے بھی، اگرچہ وہ پیمانِ نیٹو میں شامل نہیں، مغرب کے ایک نمایاں ہم پیمان کی حیثیت سے آفاقی استعمارگروں کی خلیج فارس کی منحوس اسٹرٹیجی کی تکمیل کے لئے بڑے بڑے اقدامات کئے ہیں۔

ایسے حالات میں بھی، جبکہ امریکہ کے توسط سے ھیروشما اور ناگاساکی پہ گرائے جانے

والے ایٹم بموں کا داغ جاپان کے لوگوں کی پیشانی سے دور نہیں ہوا ہے اور ہر ملک ہر سال اس دہشتناک قتل عام پر قومی سطح پر سوگ مناتا ہے۔ ٹوکیو کی حکومت ابھی تک بدستور ہاتھ باندھے مغرب کے فاسد سرمایہ دارانہ نظام کی جھولی میں پڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عملی طور پر دنیا کے تمام سیاسی حالات و تحولات میں امریکہ کی ہم صدا اور ہمنوا ہو جاتی ہے اس وقت کاخ سفید (وائٹ ھاؤس) کے ارباب بست و کشاد جاپان کی خارجہ پالیسی کی ترتیب و تدوین میں انتہائی مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ سال رواں کے ماہ نومبر کے اواخر میں رونلڈ ریگن کے جاپان کے دورے نے اس کی امریکہ کے ساتھ وابستگی اور پیوستگی کو اور گہرا کر دیا ہے، یہاں تک کہ اس وقت پچاس ہزار سے زائد امریکی فوجی جاپان کی کئی ایک فوجی چھاؤنیوں میں مقیم ہیں اور ان کی یہ تعداد ہر سال بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس نے ۲۴ نومبر ۱۹۸۳ء کو ٹوکیو سے اطلاع دی کہ ۱۹۷۴ء کے جاپان اور عراق کے اقتصادی تعاون کے معاہدہ کے انعقاد کے بعد سے قرضہ کی کل رقم، جو جاپان کے توسط سے بعثی حکومت کو فراہم کی گئی ۱۷۹ ملین ڈالر تک جا پہنچی اور یہ رقم عراق کی ضروریات و احتیاجات کے مطابق گذشتہ دو ایک سالوں سے روبہ افزائش ہے۔

جاپان کی طرف سے عراق کی روبہ زوال حکومت کی مالی امداد اور دونوں کے وسعت پذیر روابط کو جب اس حقیقت و واقعیت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے کہ حکومت جاپان نے ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی جمہوریۂ ایران کے ساتھ اپنے روابط کو محدود کر دیا ہے اور ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اس کے پٹرو کیمیکل کمپلکس کی تکمیل سے گریز کرے، تو ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جاپان کی خارجہ پالیسی گذشتہ سالوں کے دوران ایسے راستے پر گامزن ہے جو اسے امریکی ٹرسٹوں، کارٹلوں اور سرمایہ داروں نے دکھایا ہے۔

امریکی روزنامہ "واشنگٹن ٹائمز" نے اپنی ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کی اشاعت کے دوران اپنے اداریہ میں واضح طور پر عراق کی بعثی حکومت کے نیٹو کے ساتھ رابطہ کا ذکر کیا اور اس ارتباط و اتحاد کو خلیج فارس میں امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے ضروری قرار دیا، اگر اس وقت اس بدبختی

پر مبنی ارتباط کا یقین کرنا ناممکن نظر آتا تھا تو اب اس امریکی روزنامہ کی خبر کی صحت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور دنیائے معاصر پہلے سے کہیں بہتر طور پر حاکمانِ بغداد کی پیمان نیٹو کے ممالک کے اسلحہ کے گوداموں کے ساتھ منحوس وابستگی اور پیوستگی سے واقف ہو چکی ہے۔

" نیٹو پیکٹ " میں شامل ان ممالک کے درمیان، جنہوں نے عراق کے ساتھ اپنے روابط برقرار و استوار کر رکھے ہیں، فرانس ایک خاص حیثیت کا مالک ہے۔

فرانس یورپ میں فوجی توازن و تعادل کے اعتبار سے مرکزی حیثیت کا حامل ہونے کی بنا پر ایک طرف تو مسائل عالم کے سلسلہ میں عرب ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اور دوسری طرف اپنی بیمار اقتصادی حالت سے چھٹکارا پانے کیلئے، ان ممالک کے ساتھ روابط برقرار اور استوار کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ چونکہ فرانس کی فوجی صنعتیں سرکاری سیکٹر کے تحت آتی ہیں اور فرانسیسی اقتصادیات بطور طبیعی خارجہ ممالک کو فوجی اسلحہ کی سپلائی پر مبنی ہیں لہٰذا اس حکومت نے نیٹو کے ہم پیمان اور متعہد ممالک کی نسبت زیادہ مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک کو اسلحہ کی سپلائی کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

لہٰذا فرانسیسی حکومت بالعموم مشرقی وسطیٰ اور بالخصوص عراق میں، جنگ میں عراق کی فوجی شکست کے آثار اور وسیع بحرانوں کو، جنہیں اس منطقہ میں لبنان کے لوگوں پر فالانجسٹوں کی زبردستی مسلط کرنے کی پالیسی نے جنم دیا تھا، آشکار دیکھ کر بتدریج سرگرم ہوتی چلی گئی۔

عراق اور سعودی عرب کی فاسد حکومتیں تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس وقت اپنا ۸۰ فیصد اسلحہ فرانس سے حاصل کر رہی ہیں اور اس طرح انہوں نے فرانس کے صنعتی نظام کو، جو کہ براہ راست اور بالواسطہ طور پر دس لاکھ سے زائد فرانسیسیوں کو کام مہیا کرتا ہے، جاری و ساری رکھنے میں بہت اہم حصہ لیا ہے۔ صرف گذشتہ ایک سال کے اندر اندر فرانس کی تقریباً آدھی فوجی برآمدات عراق کی بعثی حکومت کے حصہ میں آئیں فرانس کے وزیر جنگ چارلس ہرنو نے ۲۳ ۔ ۱۰ ۔ ۶۱ ۶ کو فرانسیسی ٹیلیویژن کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کھل کر اعلان کیا۔

" ہم خلیج فارس کے علاقہ میں صلح و صفائی کے خواستار اور طلبگار ہیں "!

پھر اس نے فرانس کی سوشلسٹ حکومت کے نظریۂ صلح کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"عراق میں بڑی طاقتوں کے مفادات کو خطرہ لاحق ہونے کے نتیجہ میں یہ علاقہ بے ثباتی اور عدم استحکام سے دوچار ہو جائے گا کیونکہ جنگ میں ایران کی فتح و کامیابی سے اصولی طور پر مشرق وسطیٰ کا امن و امان درہم برہم ہو کر رہ جائے گا"

عراق کی فوجی میدان میں اسلحہ کی خریداری کی رقم ۸۲-۱۹۸۰ء کے دوران اٹھارہ ارب فرانک اور غیر فوجی میدان میں بھی اسی قدر تھی ۱۹۸۳ء کے اوائل میں عراق کی فرانس کو بھاری قرضوں کی واپسی سے معذوری اور اس کے تیل کی برآمدات کے انقطاع کے پیش نظر سعودی حکومت نے، اس خیال سے کہ پیرس اور بغداد کے درمیان قائم شدہ تسلیماتی پُل بدستور برقرار اور استوار رہے فرانس کو عراقی تیل کی برآمد کی ذمہ داری اپنے سر لینا قبول کر لیا اور حکومت عراق کی بجائے تیل کی وہ مقدار، جو کہ عراق کی بعثی حکومت برآمد کرتی تھی، جاپان اور فرانس کو اپنی (ریفائنریوں) سے فراہم کرنی شروع کر دی۔

ان برآمدات کی رقم چھ ماہ کے اندر اندر چھ ارب ڈالر تک جا پہنچی اور یہ بھی ایسے حالات میں جبکہ عراقی حکومت گوناگوں اسلحہ کی بابت فرانس کی دو ارب ڈالر کی مقروض تھی۔[1] پیرس کے روزنامہ لی مونڈ نے اس سلسلہ میں ۱۷ فروری ۸۳ء کو ایک مقالہ کے دوران لکھا۔

"خلیج فارس کے عرب ممالک فرانس کے فوجی اور غیر فوجی ساز و سامان کے اہم ترین خریدار ہیں، ۸۲-۱۹۸۱ء (۱۳۶۰ و ۱۳۶۱ ھ ش) کے درمیانی عرصہ میں عراق کی فوجی درآمدات کی رقم اٹھارہ ارب فرانک اور غیر فوجی درآمدات کی رقم بھی اسی قدر تھی، عراق اور سعودی عرب اپنے اسلحہ کی ۸۰ فیصد ضروریات فرانس سے پوری کرتے ہیں اور صرف عراق نے سال رواں کے دوران اس اسلحہ کا ۴۰ فی صد حصہ فرانس سے حاصل کیا ہے"!

فرانس کے خارجی تجارت کے وزیر نے بھی اس سال کی ۱۰ جون کو ایک رپورٹ میں، جو کہ اس

---

[1] یاد رہے کہ یہ رقم اب ۱۷ ارب امریکی ڈالر تک جا پہنچی ہے۔

نے فرانسیسی پارلیمنٹ کے امور خارجہ کے کمیشن کے ایک اجلاس میں پیش کی ۔ اعلان کیا:

" فرانسیسی اسلحہ کی فروخت کی رقم جو کہ گذشتہ سال ۲۹ ارب فرانک تھی ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران فرانس کو ملنے والے آرڈرز کی کل رقم ۳۰ سے ۴۱ ارب فرانک تک جا پہنچی ہے"

اس نے اسی رپورٹ میں مزید کہا !

" فرانس کی بیرونی تجارت کے توازن میں خسارہ کا فرق سال رواں کے پہلے چار ماہ میں ۴۰ ارب فرانک تھا جبکہ اب یہ فرق اسی قدر عرصہ میں ۲۱ ارب فرانک تک رہ گیا ہے"

یہاں پر یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس مسلط کردہ جنگ کے آغاز سے اب تک وزراء کی سطح کے پندرہ اعلیٰ سطح کے وفود، عرب حکومتوں کو فرانسیسی اسلحہ کی خریداری کی ترغیب دینے کے لئے، اس علاقہ کا دورہ کر چکے ہیں۔ بہر حال یہ اعداد و شمار محض ان دوروں سے متعلق ہیں جن کا سرکاری طور پر اعلان کیا گیا تھا اور ان خفیہ دوروں اور پوشیدہ طور پر منعقد شدہ قراردادوں کے بارہ میں جن کا اہتمام اور انعقاد نہایت طبیعی اور بدیہی نظر آتا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان دوروں کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ماہ آذر ۶۰ ھ ش میں گلیڈسٹون نے ایک اعلیٰ سطح کے فرانسیسی وفد کی سربراہی میں مقبوضہ فلسطین کا ایک روزہ دورہ کیا اور دورہ کے خاتمہ پر اعلان کیا کہ اسرائیل کے ہاتھ اسلحہ کی فروخت کی مقدار میں معتد بہ اضافہ کیا جائے گا۔

- فرانسوا متراں ماہ اسفند ۶۰ ۱۳ ھ میں مقبوضہ فلسطین آیا اس نے بیگن کے رخسار پر بوسہ دیا، صیہونی حکومت کے پرچم کو سیلوٹ کیا اور صیہونیت کے بانی "تھیوڈور ہرٹسل" کی قبر پر پھول چڑھائے۔

فرانسیسی وزیر خارجہ گلیڈسٹون ماہ خرداد ۶۲ میں اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ کے بارہ میں سعودی حکومت سے مشورہ کرنے کے لئے ریاض کے لئے روانہ ہوا۔

فرانسیسی وزیر خارجہ گلیڈسٹون ماہ مرداد ۱۳۶۱-۸۲ء میں ہند، جنوبی کوریا اور چین کے مرحلہ وار سفر پر روانہ ہوا۔

فرانسیسی وزیر خارجہ ماہ آبان ۱۳۶۲-۸۳ء میں کویت آیا۔ اس نے وہاں سے جاتے وقت اخبار نویسوں سے کہا:

"فرانس اس بات کے لیے پوری طرح سے آمادہ ہے کہ میراج لڑاکا طیاروں کی ایک خاصی بڑی تعداد کویت کو فراہم کرے۔ اسی لیئے فرانس کے فوجی ماہرین کا ایک وفد کویت آیا ہے تاکہ اس معاملہ کی جزئیات و تفصیلات کا جائزہ لے۔"

فرانسوا متراں، ماہ آذر ۱۳۶۱-۸۲ء میں، ہندوستان کو ایٹمی ایندھن کی فراہمی کا معاہدہ طے کرنے اور میراج لڑاکا طیارے فروخت کرنے کیلئے، جس کی ابتدائی قرارداد پر پہلے ہی فریقین کے دستخط ہو چکے تھے، ایک بلند پایہ وفد کی سربراہی میں نئی دہلی آیا۔

فرانسوا متراں ماہ آذر ۱۳۶۱-۸۲ء میں ہندوستان کا دورہ کرنے کے بعد قاہرہ آیا جہاں اس نے اخبار نویسوں کے ساتھ ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا!

"ہم نہیں چاہتے کہ عراقی اس جنگ میں ایرانیوں سے شکست کھا جائیں۔"

فرانس کا وزیر معاشیات، جیک ڈالر، خلیج فارس کے علاقہ کے ممالک کے ساتھ فرانس کے اقتصادی تعاون کو وسعت دینے کے لیے سعودی عرب آیا۔

فرانس کے وزیر دفاع "چارلس ہرنو" نے گذشتہ دیماہ میں عمان کا دورہ کیا اور وہاں کی حکومت کے سربراہ سلطان قابوس کے ساتھ مذاکرات کیئے۔ اس نے اس دورہ میں ہمسائے سرزمین عمانی بحریہ کی صورت حال کا معائنہ کیا اور اس دورہ کے نتیجہ میں یہ طے پایا کہ فرانس، عمان اور سعودی عرب کی بحریہ کی تشکیل نو کرے گا۔

فرانسیسی وزیر خارجہ گلیڈسٹون نے دیماہ ۱۳۶۱-۸۲ء میں فرانس کے وزیر دفاع کے ہمراہ خلیج فارس کی ساحلی امارات[1] اور قاہرہ کا مرحلہ وار دورہ کیا جس کے اختتام پر اعلان کیا گیا!

---

[1] قطر، البحرین، السعودی عرب کویت اور متحدہ عرب امارات

کہ فرانس کویتی اور بحرینی پائلٹوں کو تربیت دینے کے لئے تیار ہے۔

فرانسیسی وزیر خارجہ گلیڈ سٹون نے ماہ بہمن ۱۳۶۱-۸۳ء میں اردن، عراق اور شام کا سفر کیا اور اردن کی طرف پرواز کرنے سے چند گھنٹے پہلے پیرس میں بیان دیا!

"پیرس جنگ میں ایران کی آخری فتح کے نتائج کے بارہ میں بہت فکر مند ہے اور علاقہ کے کچھ اور ملک بھی ایرانیوں کی تیز رفتار پیشقدمی سے پریشان ہو گئے ہیں"۔

اس نے مزید کہا:۔

"اگر ایرانی جنگ جیت گئے تو مشرق وسطیٰ میں فرانس کے اسلحہ کی برآمدات کو شدید دھچکا لگے گا اور اس کی مقدار پہلے کی نسبت آدھی رہ جائے گی"

روزنامہ لی موندٹ نے بھی اسی زمانہ میں لکھا کہ گلیڈ سٹون کا اس علاقہ کے دورہ کا بنیادی مقصد ایران کے ساتھ جنگ میں عراق کی امداد کرنا ہے۔ اسی زمانہ میں اس نے شام کا بھی دورہ کیا جس کے دوران اس نے اعلان کیا کہ اس دورہ کا مقصد شام کے حکام کے ساتھ ملاقات کے دوران ان کو عراقی پائپ لائن کو، جو کہ سرزمین شام میں سے ہو کر گزرتی ہے، دوبارہ کھولنے کی ترغیب دلانا ہے۔

فرانسیسی وزیر خارجہ گلیڈسٹون نے ۸۴-۹-۲۴ء کو اسلام آباد میں کہا!"

"فرانس ... ۲ ارب ڈالر مالیت کے ایک ایٹمی بجلی گھر کے قیام میں مدد دینے کے سلسلہ میں مذاکرات میں مشغول ہے۔

فرانس کی خارجی تجارت کا وزیر ماہ مارچ ۱۹۸۴ء کے اوائل میں قاہرہ آیا تاکہ مصر کی تجارتی نمائش گاہ کے دورہ کے موقع پر ۹۰۰ میگا واٹ طاقت کے ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر کے بارہ میں، جس سلسلہ میں مذاکرات کچھ عرصہ پہلے سے شروع ہو چکے تھے، مصری حکام کے ساتھ بات چیت کرے۔

ایک ہندوستانی روزنامہ نے ماہ اردی بہشت ۱۳۶۲-۸۳ء میں انکشاف کیا کہ فرانس نے ۳۲ میراج لڑاکا طیارے پاکستان کے پاس فروخت کئے ہیں، اس روزنامہ کے مطابق بحیرہ اقیانوس

کے علاقہ میں اپنا فوجی اثر و نفوذ بڑھانے کے سلسلہ میں امریکہ کے اقدامات کے بعد فرانس نے بھی امریکہ کی دیکھا دیکھی اس علاقہ میں "ٹاسک فورس" کے نام سے ایک مداخلت گر فوج قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کویت کے وزیر خارجہ نے ۱۸ مئی ۸۳ء کو حکومت فرانس سے ۹۵ ملین ڈالر قیمت کے چھ پیرسیلی کا پٹروں کی خرید کے سمجھوتہ پر اپنے دورۂ پیرس کے دوران دستخط کئے۔ اسی تاریخ کو ابوظبی میں بھی چھتیس لڑاکا میراج طیاروں کی فروخت کے بارہ میں فرانس اور متحدہ عرب امارات کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے[1]

فرانس کی وزارتِ خارجہ نے ۲۳ جولائی ۱۹۸۳ء کو اعلان کیا کہ بغداد میں فرانسیسی سفارت خانہ کے سٹاف میں عنقریب اضافہ کر دیا جائے گا۔

حکومت فرانس نے ۱۹ ستمبر ۱۹۸۳ء میں اعتراف کیا کہ عراق میں چھ ہزار ماہرین اور مشیر اس ملک کی فوج کو تربیت دینے میں مشغول ہیں۔

فرانس کا وزیر خزانہ "وایدرٹ کرزن" آبان ماہ ۱۳۶۲ھ ش ۸۳ء میں حکومت عراق کو نئے قرضے فراہم کرنے کے سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لئے بغداد آیا۔

فرانس کے نقطۂ نظر سے تمام عرب ممالک کے درمیان عراق ایک خاص اہمیت و حیثیت سے بہرہ مند ہے۔

فرانس عراق کے ساتھ اپنے اور اس کے ذریعہ اس ملک کے ساتھ نیٹو کے روابط کی تین طرح سے توجیہہ کرتا ہے اور بعثی حکام کی طرف سے ان توجیہات کو قبول کرنا بجائے خود اس کی ایک اور بڑی وجہ ہے :

ا- گذشتہ چند عشروں میں فرانس کا کمیونسٹوں، امریکیوں اور انگریزوں کے برعکس، جنہوں نے عراق میں خونریز انقلابات برپا کئے ہیں، عراقی نقطۂ نظر سے اس ملک میں کسی قسم کا استعماری کردار نہیں رہا۔

---

[1] یاد رہے کہ ان میں سے ہر ایک طیارے کی قیمت تیس ملین ڈالر ہے۔

۲- فرانسیسی ماہرین اور انجنیئر برسوں پہلے سے عراق میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور وہ عام تعمیراتی منصوبوں سے لے کر عظیم ایٹمی اور صنعتی منصوبوں تک بیسیوں منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرم عمل رہے ہیں۔

۳- فرانس گذشتہ چار سال کے دوران جب سے یہ مسلّط کردہ جنگ شروع ہوئی ہے، واحد ملک ہے، جس نے اسلحہ کی خرید کے سلسلہ میں حکومت عراق کی قسطوں میں ادائیگی کی شرائط کو قبول کیا ہے۔

جب جمہوریۂ فرانس کا صدر متراں ۱۳۶۰-۸۰ھ کے اوائل میں برسر اقتدار آیا تو اس نے اعلان کیا کہ یہ ملک جنگ میں ملوث ملکوں کے پاس ہرگز اسلحہ فروخت نہیں کرے گا۔ لیکن ایک ہی سال بعد لبنان، شمالی افریقہ اور خلیج فارس میں فرانس کے جارحانہ اور جنگجویانہ رویہ نے ظاہر کر دیا کہ آج کی دنیا کے جمہوریت پسند اور مہذب سیاستدان کس قدر آسانی کے ساتھ اپنے پر فریب چہروں کو مکر و فریب اور دروغ کے ضخیم پردوں کی اوٹ میں چھپا لیتے ہیں۔

سوشلسٹوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہلاکت خیز اسلحہ کی پیداوار اور برآمدات پہلے سے کہیں بھی زیادہ فرانس کی فلاکت بار اور بیمار اقتصادی حالت کو سنبھالا دینے کے لئے سہارا بن گئیں اور متراں حکومت نے کوشش کی کہ اس کے توسط سے فرانس کے اندر رونما ہونے والے بحران سے پیدا شدہ مصیبتوں میں قدرے کمی کر سکے[1]۔

برسر اقتدار آنے کے نو ماہ بعد ہی جمہوریۂ فرانس کے صدر متراں کے سب سے پہلے غیر ملکی دورہ میں جو اس نے ماہ اسفند ۱۳۶۰-۸۱ء میں کیا، اس کی بیگن کے ساتھ ملاقات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فرانس میں سوشلسٹوں کے برسر اقتدار آنے سے فرانسیسیوں کے توسط سے کمزور ممالک میں استعماری اعمال کا ایک نیا باب شروع ہو گیا ہے۔ ایک ایسا باب جس سے بلا شک و شبہ اس ملک کو بین الاقوامی سطح پر ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

متراں نے کھلم کھلا بیگن جیسے مجرموں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس پیکار و کشمکش میں (جو کہ اسلامی جمہوریۂ ایران کی جنوبی اور مغربی سرحدوں پر حق و باطل کے درمیان جاری و ساری ہے)

---

[1] آگے چل کر ہم اعداد و شمار اور مثالیں پیش کر کے اپنی اس بات کی مزید وضاحت کریں گے۔

بڑے جوش وخروش کے ساتھ شرکت کی اور اس ناجائز مداخلت کے دائرہ کو یہاں تک پھیلا دیا کہ یورپی ممالک کے درمیان ایک ایسے ملک کی شکل اختیار کر لی جو اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف انتہائی معاندانہ احساسات وخیالات رکھتا ہو۔

ایسے حالات میں جبکہ سعودی عرب، کویت، اردن، مصر اور روس جیسے نام نہاد صلح جو اور "تشنج کے خاتمے" کے حامی رسمی طور پر اور مشرقی بلاک کے بعض ممالک غیر رسمی طور پر حکومت بغداد کی، جو کہ اب نزع کے عالم میں ہے، پوشیدہ اور آشکارا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مدد کر رہے ہیں، اسلحہ فروش فرانس کے سوشلسٹ ٹولے نے بھی اس منحوس سیڑھی کی (جو کہ عالمی استبداد واستعمار کے متحدہ محاذ کی طرف سے تیار کی گئی ہے) تکمیل کے لیے اہم اقدامات کئے ہیں۔ یہ جنگ افروزانہ پالیسی نہ صرف خلیج فارس بلکہ لبنان چاڈ اور دنیا میں جہاں کہیں بھی جنگ، خونریزی اور مردم کشی جاری ہے، پوری قوت کے ساتھ نافذ کی جاتی ہے اور استبدادی طاقتوں کی وحدت ویگانگت کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ آشکار کرتی ہے۔

برسوں سے فرانس اقتصادی اعتبار سے بہت بری حالت سے دوچار ہے اور ان آشفتہ اور درہم برہم داخلی حالات اور جرائم، چوری اور ڈکیتی کے بڑھتے ہوئے واقعات نے سوشلسٹوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد اور زیادہ شدت اختیار کر لی ہے، قیمتوں میں اضافہ، غیر ملکی تجارت میں خسارہ، قرضوں کے میزان میں بے پناہ افزائش، کساد بازاری، بے کاری اور بے روزگاری، فرانس کی سوشلسٹ حکومت کے اہم ترین تحفے ہیں، اس وقت فرانس ۱۴ فیصد کساد بازاری اور ۲/۵ ملین افراد کی بے روزگاری کے مسئلہ سے دست بگریبان ہے۔ فرانس کی اقتصادی مشکلات کچھ اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی انتظامیہ کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ گذشتہ سال کے اوائل میں یورپ کے بازار مشترک کے دس ممالک سے چھ سال کی مدت کے لئے ۲۷ ارب فرانک اور سعودی عرب سے دو ارب ڈالر کا قرضہ حاصل کرے اور یہ سب سے بڑا قرضہ ہے۔ جو اب تک فرانس نے دنیا کے صنعتی ممالک سے باہر کے کسی ملک سے حاصل کیا ہے۔ فرانس

کی وزارت داخلہ کی ایک رپورٹ ۳۰ جنوری ۸۳ء کے مطابق اس ملک میں جرائم کے اعداد و شمار میں ۸۱-۶ء کی نسبت ۸۲-۶ء میں ۲۶ فیصد اضافہ ہوگیا ہے۔ اس رپورٹ کی رو سے ملک میں مختلف قسم کی چوریوں کے اعداد و شمار بھی گذشتہ سال کی نسبت ۱۰ فیصد بڑھ گئے ہیں۔

فرانس کی خبر رساں ایجنسی کی ایک رپورٹ (۲۵ جنوری ۸۳ء) کے مطابق آج فرانس کی کل آبادی کے ۸/۵ فیصد عوام کی آمدنی اس ملک کے عوام کی اوسط آمدنی سے ۴۰ فیصد کم ہے۔ اس ایجنسی نے جس کی رپورٹیں فرانس کی حکومت کی تائید کی حامل اور سرکاری اعداد و شمار پہ مبنی ہیں۔ اپنی رپورٹ میں لکھا!

"ایک نئی قسم کی غربت فرانس میں نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ وہ گھرانے جو کچھ عرصہ پہلے تک اپنے روزمرہ اخراجات کو آسانی سے پورا کر سکتے تھے اب غربت، سماجی غلط فہمی، بیماری، کساد بازاری، بے کاری اور بے روزگاری کے خوف میں مبتلا ہیں۔ خیراتی اداروں کے نام لوگوں کی درخواستوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور صرف گذشتہ تین سالوں کے اندر اندر اس رقم میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہے، ۲۲ فیصد عوام ہر قسم کے مالی سرچشمہ سے محروم ہیں۔"

ان آراد کی بنیاد پر جو کہ ہر سال فرانس کے عوام سے حکومت کی اقتصادی، سیاسی، عسکری اور خارجہ پالیسی سے متعلق کارکردگی کے بارہ میں حاصل کی جاتی ہیں، مہتران حکومت کے طور، طریقوں اور پالیسیوں سے متعلق فرانسیسی عوام کی خوشنودی کے میزان میں مسلسل کمی واقع ہوتی جا رہی ہے ہم ذیل میں اس سلسلہ میں صرف ایک خبر درج کرنے پہ اکتفا کرتے ہیں، ایک فرانسیسی خبر رساں ایجنسی نے ماہ اکتوبر کے اواخر میں فرانس سے ایک خبر کچھ اس انداز میں نشر کی۔

فرانس کی سوشلسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل لیونل جوسمن نے پیرس میں اس پارٹی کی سہ روزہ کانگریس کے افتتاحی اجلاس میں کہا:

"بہت سے وہ لوگ جنہوں نے ہمیں ووٹ دیا ہے اب ہم سے روگرداں ہو چکے ہیں۔"

فرانس کی اسی خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق اس نے اپنی تقریر میں پارٹی کی سیاسی حیثیت کو بحال کرنے کے لئے پارٹی کے ارکان کے ساتھ رابطہ کی مہم کے دوران ان سے

درخواست کی کہ پارٹی کے بارہ میں شک وتردید اور مایوسی و ناامیدی سے احتراز کریں۔ یہ کانگریس ۱۹۸۶ء میں منعقد ہونے والے آئندہ انتخابات سے پہلے فرانس کی سوشلسٹ پارٹی کی پالیسیوں کی توضیح وتشریح کے لئے آخری اجتماعی موقع ہے۔ فرانس کی سوشلسٹ پارٹی، جس کی بنیاد متیران نے رکھی، اڑھائی سال پہلے عوام کی اکثریت کی حمایت سے بہرہ ور تھی جبکہ اس وقت جیسا کہ عوامی استصواب رائے سے پتہ چلتا ہے اس کے حامیوں کی تعداد میں ۲۹ فیصد کمی واقع ہوگئی ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ فرانس کے لوگ اب اپنی حکومت کا حقیقی چہرہ سرکاری اور تحریف شدہ اعداد وشمار کے آئینہ میں نہیں بلکہ اس حکومت کی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں کے حقیقت پسندانہ تجزیوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اب فرانس کے عوام مکمل طور پر حکومت فرانس کی طرف سے مشرق وسطیٰ کی طرف اربوں ڈالر کے ہلاکت خیز اسلحہ کا سیلاب رواں کرنے اور اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ خصومت اور دشمنی روا رکھنے کے اصل اسباب ومحرکات سے پوری طرح سے آگاہ ہو چکے ہیں۔

وہ جنگ کے چار سال گزرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ صرف فوجی اسلحہ برآمد کرنے اور بین الاقوامی سطح پر قلا بازیاں کھانے سے ایک ایسی قوم کو، جس نے ایک عقیدہ کی بنا پر قائم کردہ نظام کو ثمر بخش بنانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رکھی ہے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور زود یا بدیر اس جنگ کے ہمہ گیر شعلے آفاقی استعمار واستبداد کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کو مشرق وسطیٰ اور خلیج فارس کے گرم پانیوں میں دفن کر دیں گے۔ انقلاب بدستور سازش ناپذیر اور سرافرازپیش قدمی کرے گا اور امید کی چنگاریاں، جو کہ اس کے ذریعے دنیا بھر کے محروم اور مظلوم لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی ہیں، بدستور فروزاں رہیں گی کیونکہ یہ خداوند تعالیٰ کی ایک تغیر ناپذیر سنت ہے۔"

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

"خدا ضعیفوں پر کرم کرنا ہے اور ان کو راہ حق کے پیشوا اور زمین کے وارث بنانا ہے۔"

فصل چہارم

جنگ اور جانبدار عرب ممالک

" چارسالہ ایران عراق جنگ خلیج (فارس) کے مالی ہمکاری تعاون کے کنسورشیم کے چالیس ارب ڈالر ہڑپ کر چکی ہے اور یہ جنگ اس کنسورشیم کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ ہے ۔"

مذکورہ بالا اعداد و شمار، جو کہ خلیج فارس کے ہمکاری تعاون کے کنسورشیم کے چھ رکن ممالک کے چوتھے اجلاس میں امیر بحرین شیخ عیسیٰ بن سلطان کے توسط سے انتہائی تأسف اور درد بھرے لہجہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ جانبدار عرب حکومتوں کی بے حد و حساب مالی امداد کا محض ایک معمولی حصہ ہیں۔ جو کہ بعثی حکومت کے جلادوں کو فراہم کی گئی ہے کیونکہ

ا۔ متذکرہ بالا رقم محض خلیج فارس کے تعاون و ہمکاری کے کنسورشیم کے رکن ملکوں یعنی سعودی عرب، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات، کویت اور عمان کے توسط سے عراقی حکومت کے سپرد کی گئی ہے جبکہ عرب ممالک میں سے اردن اور مصر کی حکومتیں جنہوں نے عراق کو مالی اور اسلحی مدد بھی فراہم کی ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف جنگ میں افرادی قوت بھی اس ملک کو مہیا کی ہے۔ ایک مخصوص اہمیت و حیثیت کی حامل ہیں اور ان کے علاوہ، مراکش تیونس اور سوڈان نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق بعثی حکام کو اپنی غیر مشروط خدمات پیش کی ہیں

ا۔ ۱۹ آبان ۶۲ ھ ش

ب : وہ چالیس ارب ڈالر، جس کا امیر بحرین نے منطقہ خلیج فارس کے ممالک کی مجموعی مدد کے عنوان سے ذکر کیا ہے، ہرگز کلی مدد نہیں ہے کیونکہ مذکورہ کنسورشیم نے اس امر کی ہمیشہ کوشش کی ہے کہ ایک طرف اس چونکا دینے والے امدادی اعداد وشمار پر اسلامی جمہوریہ ایران کے حکام کے ردِ عمل سے گریز کے لیئے اور دوسری طرف اس "خوان نعمت" سے صحیح استفادہ کرنے میں بعثی حکام کی نالائقی ظاہر ہو جانے سے اجتناب کے لئے ان "لاجواب خدمات" کو اصل سے کم ظاہر کرے۔ جیسا کہ غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں نے، جنہوں نے مذکورہ بالا خبر نشر کی، اپنی رپورٹ کے آخر میں کہا:

"جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا ہے خلیج (فارس) کے تعاون و ہمکاری کے کنسورشیم نے ۸۶ ارب ڈالر عراق کو دیئے ہیں"

ج: یہ اعداد و اعانت محض مالی ہے اور اسمیں فوجی، سیاسی، فنی، لاجسٹک، ٹرانسپورٹ وغیرہ کی امداد جو کہ اس مسلط کردہ جنگ کے دوران چار سال تک مسلسل بعثی حکومت کو ملتی رہی ہے شامل نہیں ہے جبکہ ملنے والی گذارشات و اطلاعات کی بنا پر ان ممالک کی فوجی، فنی، باربری اور (تیل کی) امداد کی رقم ۴۰ ارب ڈالر سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہم یہاں پر ان اعانتوں میں سے بطور نمونہ صرف چند ایک کی طرف اشارہ کریں گے:

۱۔ سعودی حکومت نے، دیماہ ۵۹ ھش میں، جبکہ جنگ شروع ہوئے ابھی صرف تین ماہ ہی گذرے تھے اور عراق دریائے اردن سے استفادہ کرنے پر قادر نہ رہا تھا، شہر "دمام" سے ۸۰ کلومیٹر فاصلہ پر واقع بندرگاہ "جبیل" مکمل طور پر عراق کے اختیار میں دے دی تاکہ وہ اس سے فوجی اور غیر فوجی ساز و سامان کی نقل و حمل کے لیے استفادہ کر سکے اس زمانہ میں شائع ہونے والی خبروں سے ظاہر ہوتا تھا، کہ اس بندرگاہ پر تقریباً دس ہزار عراقی کلرک اور مزدور سرگرم عمل ہیں اور اس بندرگاہ پر روزانہ اتارے جانے والے سامان کا وزن ۴۰ ہزار ٹن تک جا پہنچا ہے۔

۲۔ سعودی حکومت کے اس اقدام کے فوراً بعد حکومت اردن نے بھی خلیج عقبہ (بحیرہ احمر)

میں واقع بندرگاہ عقبہ کو مکمل طور پر عراق کے کنٹرول میں دے دیا۔ حکومت عراق نے اسلام کے جانباز مجاہدوں کے ہاتھوں بندرگاہ بصرہ کے بند ہو جانے کے بعد بندرگاہ عقبہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ عراق کو لیجانے والے سازوسامان غذائی مواد اور اسلحہ کے اکثر و بیشتر جہازوں نے اپنا سامان بندرگاہ عقبہ میں ہی اتارا اور حکومت عراق نے اپنے ملک میں موجود تمام کے تمام ٹرک مذکورہ سامان کو شہر "مفرق" کے راستے عراق منتقل کرنے کے لیے وقف کر دیئے اور یہ صورتِ حال ہنوز جاری و ساری ہے۔ البتہ ۶۰ھ ش میں اردن کی سرحدوں پر شامی فوج کے جمگھٹے کے نتیجہ میں "مفرق بغداد" سیکٹر پر اس ٹریفک کا دباؤ کسی حد تک کم ہو گیا۔

۳۔ حکومت کویت نے بھی سعودی عرب اور اردن کی پیروی کرتے ہوئے جنگ کے چند ماہ بعد بندرگاہ "احمدی" کو، جو کہ عراق سے نزدیک ترین بندرگاہ ہے۔ بعثیوں کے سپرد کر دیا تاکہ اس حکومت کا مطلوبہ ساز و سامان، جو کہ دوسرے ممالک کے توسط سے خلیج فارس میں وارد ہوتا ہے۔ اس بندرگاہ سے ٹرکوں کے ذریعہ زمینی راستوں سے بغداد اور عراق کے دیگر شہروں کو منتقل کیا جا سکے۔

۴۔ جب بندرگاہ بصرہ کے راستہ عراقی تیل کی ترسیل کا راستہ منقطع ہو گیا اور شام میں عراقی پائپ لائن بھی بند ہو کر رہ گئی۔ تو سعودی حکومت نے سرزمین عراق سے بحیرہ احمر تک پائپ لائن بچھانے کا منصوبہ تیار کیا تاکہ عراق اس ذریعہ سے روزانہ ۱٫۶ ملین بیرل تیل برآمد کر سکے۔ اسی طرح دو سال کے اندر اندر سعودی حکومت نے عراق کی جگہ بہت بڑی مقادیر میں تیل اس ملک کے گاہکوں کو جس میں فرانس بھی شامل ہے، فراہم کیا ہے تاکہ مبادا ان کے ساتھ معاہدے ٹوٹ جانے سے عراق کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ جیسا کہ سری لنکا کے روزنامہ "آئس لینڈ" نے اپنی ایک ۶۲ھ ش کی اشاعت میں لکھا:

"سعودی عرب اور کویت روزانہ تین لاکھ بیرل تیل عراق کی طرف سے فروخت کرتے ہیں۔"

۱۔ جمہوری اسلامی خبر رساں ایجنسی ۔ ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء

۵۔ شاہ حسین اردنی کی حکومت نے اب تک اپنی فوج کے کئی بٹالین "رضا کار بٹالین" کے نام سے اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف جنگ میں بعثیوں کی امداد و اعانت کے لیے عراق بھیجے ہیں۔ جن کے کافی جوان مختلف محاذوں پر ہلاک اور بہت سے اسلامی جانبازوں کی قید میں آچکے ہیں۔ اردن کے اقدام کی اہمیت زیادہ تر سیاسی اور تبلیغاتی تھی اور اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس مسلط کردہ جنگ کو عربوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک روائتی علاقائی جنگ ظاہر کرے۔

۶۔ حکومت مصر نے بہمن ماہ ۵۹ ھش میں یعنی اس مسلط کردہ جنگ کے صرف پانچ ماہ بعد تین سو روسی ساخت کے ٹینک جنگ کے مختلف محاذوں پر عراق کو تقویت دینے کیلئے بغداد روانہ کیے۔ اس کے علاوہ دیماہ ۶۰ ھش کے اواخر میں اسلامی جمہوریہ کی ایک خبر رسان ایجنسی نے اطلاع دی ہے کہ مصر نے ۳۷۵ ملین ڈالر کا فوجی ساز و سامان عراق کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور ۳۰ فروردین ۶۱ ھش کو "نیویارک ٹائمز" نے لکھا ہے کہ حال ہی میں حکومت مصر نے ایک ارب ڈالر مالیت کا ہلکا اور بھاری ساز و سامان عراقی حکومت کے سپرد کیا ہے۔ اسی طرح بعض اطلاعات و گذارشات کے مطابق مصری پائلٹوں اور فوجی ماہروں کی ایک اچھی بڑی تعداد اور مصری فوج کی ایک نامعلوم تعداد بھی مختلف محاذوں پر صدام کے سپاہیوں کے دوش بدوش ایران کے اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے والی جنگ میں مصروف پیکار ہے! لبنان کے ہفتہ وار اخبار "الشراع" نے ۲۳ اردی بہشت ۶۱ ھش کو اطلاع دی کہ مصر نے روس کے لڑاکا مگ ۲۱ اور مگ ۲۳ جہازوں پر مشتمل چار اسکواڈرن حکومت عراق کے حوالے کئے ہیں۔

تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت مصر نے مسلط کردہ جنگ کے دوران روسی ساخت کا آٹھ ہزار ٹن اسلحہ عراق کو فراہم کیا ہے۔ یہ اسلحہ جو کہ اس روسی اسلحہ کا باقی ماندہ ہے جو ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد، جبکہ مصر کا تسلیماتی سسٹم امریکی ہو گیا تھا، بیکار ہو گیا تھا اور اب اس کے لیے اس سے استفادہ کرنے کا سنہری موقع پیدا ہو گیا تھا۔

۱۔ طٰہٰ یٰسین رمضان نے ۹ رجون ۸۲ء کو ان مصری سپاہیوں کی تعداد جس کو عراقی فوج کے ہمراہ ایران کے جنگ لڑنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا، پندرہ ہزار بتائی۔

مصر کا ایران کو بھیجا جانے والا یہ فوج، ساز و سامان مختلف قسم کے تباہ کن راکٹوں توپوں، ٹینکوں اضافی پرزوں، ہلکے اور بھاری ہتھیاروں، مقناطیسی اور ٹینک شکن سرنگوں اور فوجی ٹرکوں پر مشتمل تھا۔

۷۔ حکومتِ سوڈان نے دیماہ ۱۳۶۱ھ/۸۲ء کے اواسط میں اپنی فوج کے سینکڑوں سپاہیوں کو اس مسلط کردہ جنگ میں شرکت کے لئے بغداد بھیجا جہاں سے یہ فوجی سپاہی فوری طور پر مختلف محاذوں پر روانہ کر دیئے گئے۔ حکومتِ سوڈان کے صدر جعفر نمیری نے مصر کے رسالہ "روزالیوسف" کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران اعلان کیا کہ سوڈانی فوج کی عراق روانگی خلیج فارس کے عرب سربراہوں کی کانفرنس کے دوران کئے جانے والے فیصلوں کے نتیجہ میں عمل میں آئی ہے۔ اسی طرح جعفر نمیری کے حکم سے سوڈان کے پایۂ تخت خرطوم اور بعض دوسرے شہروں میں اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے کرائے کے سپاہیوں کے لیئے بھرتی دفتر کھولے گئے ہیں۔

۸۔ اس وقت ایک عرصہ سے چند ایک استعماری طاقتیں سعودی عرب کے بجٹ سے عراق سے بحیرہ احمر تک ایک پائپ لائن بچھانے میں مشغول ہیں یہ پائپ لائن جو کہ سرزمین شام میں سے ہو کر گزرتی ہے، کے اخراجات کی تلافی کے لیے بچھائی جا رہی ہے گذشتہ دنوں انگلستان کے وزیر تجارت "پال چینون" نے اعلان کیا تھا کہ اسے توقع ہے کہ اس ملک کی حکومت اس عظیم پائپ لائن کو بچھانے کے لیئے، جو کہ عراقی تیل کی برآمدات کو دگنا کر دے گی، امریکی فرانسیسی مغربی جرمنی اور جاپانی کمپنیوں کے مشترکہ کنسورشیم کے ساتھ ہی مل کر ۲۵ فیصد سرمایہ گذاری کرے گی۔ یاد رہے کہ یہ منصوبہ دو سال پہلے سعودی حکومت کے توسط سے حکومتِ عراق کی درخواست پر بنایا گیا اور جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ ۱۹۸۴ء کے موسمِ گرما کے اواخر تک یہ پائپ لائن بچھانے کا کام جو کہ سارے کا سارا سعودیوں کے بجٹ سے مکمل کیا جائے گا، ختم ہو جائے گا۔

دوسری طرف کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جانبدار، عرب حکومتوں کی تبلیغاتی تلوار کی تیز دھار آغاز جنگ سے لیکر اب تک ہمیشہ سے اسلامی جمہوریۂ ایران کی گردن پر

آزمائی جاتی رہی ہے۔

وہ بے بنیاد افواہیں، جو کہ عراق کی بعثی حکومت، ایران کے اسلامی انقلاب کے بارہ میں اڑاتی ہے۔ جانبدار عرب حکومتوں کی نشریات سے بھی کم وکاست نشر کی جاتی ہیں۔ ایران کے صیہونی حکومت کے ساتھ خفیہ روابط کی مضحکہ خیز افواہ، جو کہ درحقیقت مغرب کے بیمار ذہنوں کی ساختہ وپرداختہ ہے اور جس کو منطقہ کے جانبدار حکمران بھی اکثر وبیشتر ہوا دیتے رہتے ہیں، ایران میں عراقی جنگی قیدیوں کو پھانسی دینے کی بے پر کی خبر جنگ کے بارہ میں خلیج فارس کے، عرب ممالک کے ریڈیو، ٹیلیویژن اور مطبوعات کے توسط سے عراق کی طرف سے سراپا دروغ الزامات وبیانات کی نشرواشاعت اور اسلامی جمہوریۂ ایران کی وحدت وسالمیت کے خلاف ایک مضبوط وپائیدار متحدہ محاذ میں شامل عرب ممالک کی شدید پروپیگنڈہ مہم یہ سب کے سب ایسے عوامل ہیں جن سے علاقہ کی تنخواہ دار امارات نے اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف اپنی روایتی دشمنی اور خصومت کے اظہار وابراز کے لیے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

اب تک جانبدار عرب حکومتوں نے، تمام کانگریسوں اور کانفرنسوں میں، جو کہ "عرب سربراہی کانفرنس" کے نام سے وقتاً فوقتاً ریاض، فاس، طائف اور ادھر ادھر عرب دنیا کے غلام صفت اور سرافگندہ سربراہوں کی ملاقات گاہوں میں منعقد ہوتی رہی ہیں اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف عراق کی فاسد حکومت کی نہ صرف کھل کر زبانی حمائت کی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کو عملی جامہ بھی پہنایا ہے۔

یہ ہیں وہ سب حقائق، جو مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی زرخرید اور ضمیر فروش حکومتوں کا ایران کے اسلامی انقلاب کے خلاف، دشمنی وخصومت کو نہ صرف اسلامی جمہوریہ ایران بلکہ کوئی بھی دوسری حکومت جو اس قسم کی مسلسل دشمنی وخصومت کو دیکھتی، ہرگز اس بات پر تیار نہ ہوتی کہ اس کو نظر انداز کر سکتی ہے اور آخر کار ایک نہ ایک روز اس کے محرکین وعاملین کی ان تمام مسلسل شرارتوں اور خصومتوں کا بھرپور جواب نہ دیتی۔

فصل پنجم

جنگ اور بین الاقوامی معاہدات و قوانین

" ہویزہ کا شہر جو عراق کے فضائی اور زمینی حملوں کے دوران کچھ اس طرح سے مکمل طور پہ نیست و نابود ہوگیا ہے کہ اب اس میں کسی درخت یا عمارت کا بھی نام و نشان تک نظر نہیں آتا "

وہ بم جو کہ مغربی ایران کے شہر بانہ کے رہائشی علاقوں پہ گرائے گئے کچھ اس قسم کے تھے۔ کہ جن سے عام طور پہ جانی نقصان زیادہ اور تباہی و بربادی کم ہوتی ہے"

" ہم نے دزخول کے علاقہ کا مشاہدہ و معائنہ کیا جس کو عراق نے میزائیلوں کے حملہ کا نشانہ بنایا اور سینکڑوں غیر فوجیوں کو ان کے خون میں نہلایا۔ یاد رہے کہ یہ علاقہ رہائشی اور سکونتی نوعیت کا ہے، اس کے گرد و نواح میں کسی قسم کی چھاؤنی یا فوجی تنصیبات بھی نہیں ہیں اور مذکورہ بالا جملہ کسی غلطی کے نتیجہ میں بھی نہیں ہوا "

مندرجہ بالا اقتباسات اقوام متحدہ کے مخصوص نمائندوں کی ۲۷ صفحات پہ مشتمل رپورٹ سے لئے گئے ہیں جو انہوں نے ایران و عراق کے تباہ شدہ علاقوں کا معائنہ کرنے کے بعد ماہ تیر ۱۳۶۱ ھ ش میں شائع کی اور جس کا ایک نسخہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو پیش کیا جو بعد ازاں ملکی اور غیر ملکی اخبارات و مطبوعات میں بھی شائع کیا گیا۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ یہ پہلی بار نہیں کہ اسلامی جمہوریۂ ایران کی مظلومیت اور عراق کی بعثی، حکومت کے واضح و آشکار جرائم اور زیادتیاں اور اسی طرح اس مسلط کردہ جنگ کے دوران اس

کی طرف سے بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ قوانین اور انسانی اقدار کی خلاف ورزیاں دنیا والوں پر ثابت و آشکار ہوئی ہیں کیونکہ اب تک اقوام متحدہ کی رپورٹ جیسی رپورٹیں کئی بار غیر جانبدار خارجی اخبارات و مطبوعات بلکہ کبھی کبھار آفاقی استعماری طاقتوں سے وابستہ خبر رساں ایجنسیوں اور نشریاتی اداروں کے توسط سے بھی تفسیر و تعبیر کے ساتھ نشر ہو چکی ہیں۔

اسلامی جمہوریہ ایران نے اس کے باوجود کہ آج کے اکثر بین الاقوامی معاسبر اور معاہدات و مقررات کو دنیا کے معاملات و مشکلات کے حل و فصل کے لیئے کافی نہیں جانتی اور ان کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کے لیئے ایک کامل نمونہ نہیں مانتی، اسلامی معیار اور اعلیٰ انسانی اقدار پر اعتقاد کی بنا پر اقوام متحدہ کے ایک رکن ملک کی حیثیت سے ان تسلیم شدہ بین الاقوامی اصول و قوانین کا جو کہ انسانیت کی بھلائی میں ہیں، ہمیشہ دل و جان سے احترام کیا ہے اور عملی طور پر بھی ان کی عزت و احترام کا ثبوت دیا ہے۔

لیکن افسوس کہ موجودہ سیاسی فضا کی بنا پر، جو کہ آج کی دنیا پر شیطانی طاقتوں کے جابرانہ تسلط اور انحصار پر مبنی ہے، نہ صرف اس مسلط کردہ جنگ بلکہ کسی بھی تصادم میں، جو کہ اب تک کسی ظالم اور مظلوم فریق کے درمیان رونما ہوا ہے یا ہو رہا ہے، جارح طاقت کی مذمت نہیں کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ بین الاقوامی معاہدات و مقررات کسی نہ کسی دھڑے کی طرف سے پاؤں تلے روندے گئے ہیں، جیسا کہ آج ہم لبنان افغانستان، مرکزی امریکہ، جنوبی افریقہ جنوب مشرقی ایشیا اور دنیا کے بعض دیگر حصوں میں ان قوانین اور انسانی حقوق کی واضح خلاف ورزیاں دیکھ رہے ہیں۔ ان تمام مسائل کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسلط کردہ جنگ کے دوران بین الاقوامی معاہدات و قوانین کے احترام کے میزان و معیار سے آگاہی حاصل کرنے کے لیئے کوئی مضائقہ نہیں اگر ان میں بعض قوانین و مقررات کا جن کا اس مسلط کردہ جنگ میں اطلاق کیا گیا ہے۔ مطالعہ کریں۔

معاہدۂ جینوا کے جو کہ ۱۹۴۹ء میں عمل میں آیا، اہم نکات، جو کہ نہایت اہم بین الاقوامی

مقررات و معاہدات میں شمار ہوتے ہیں اور بظاہر دنیا کے تمام ممالک کے نزدیک مستند و معتبر سمجھے جاتے ہیں کچھ یوں ہیں، جینوا کنونشن کی شق نمبر ۵۱ جنگی قیدیوں کی حمایت سے متعلق ہے، اس شق کے مطابق تمام قیدیوں کو وہ تمام حقوق ملنے چاہئیں جو کسی بھی ملک کی مسلح افواج کے افسروں اور جوانوں کو حاصل ہیں۔ شق نمبر ۴۸ میں جنگ کے دوران غیر فوجی آبادی کے مال و متاع اور عمومی مفاد کے حامل اموال کے تحفظ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

شق نمبر ۵۱ میں جنگ کے دوران غیر فوجی لوگوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔

شق نمبر ۵۴ میں غیر فوجی آبادی کی بقا کے لئے لازم تنصیبات کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔

شق نمبر ۵۶ میں ڈیموں اور ہسپتالوں کی عمارت اور ان کی تنصیبات کی حفاظت پر زور دیا گیا۔

شق نمبر ۵۷ کی رو سے غیر فوجی آبادی کی زندگی کے خطرہ میں گھر جانے کی روک تھام اور اور اس کے مال و متاع کو بچانے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

شق نمبر ۶۳ میں اس علاقہ کی حفاظت کی تاکید کی گئی ہے جس پہ کوئی ملک جنگ کے دوران قبضہ کر لیتا ہے۔

شق نمبر ۷۶ خواتین کے تحفظ کے سلسلہ میں ان سے ہر قسم کے سوا استفادہ ان کی عصمت دری اور ان کی ہلاکت سے متعلق ہے۔

شائد اس بات کا تذکرہ ضروری نہ ہو کہ اسلامی ملک ایران کے خلاف بغداد کے خونریز اور سفاک حاکموں کی مسلط کردہ چار سالہ جنگ کے دوران بے شمار موقعوں پہ بعثیوں کی طرف سے بین الاقوامی معاہدات و مقررات کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور شائد یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اس مسلط کردہ جنگ کے آغاز سے اب تک ہمارے ملک کے سرحدی شہروں کی عورتوں، بچوں اور شہریوں میں سے تقریباً ایک ہزار افراد ۹ اور ۱۲ میٹر لمبے راکٹوں کے حملوں کے دوران مارے گئے ہیں اور ان سے تقریباً دوگنا افراد زخمی اور اپاہج ہو چکے ہیں (شق ۵۱ کی خلاف ورزی)

یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں کہ اکثر و بیشتر مواقع پہ بعثی سپاہیوں نے ایرانی قیدیوں کو قید کر کے ان کے بدن کے اکثر اعضا کو کاٹنے کے بعد ان کے سر کاٹے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض

عراقی جنگی قیدیوں کے بیان کے مطابق انہوں نے ایرانی رضا کاروں کے پانچ پانچ چھ چھ کے گروہوں کو گولیوں کی باڑھ مار کر ہلاک کیا ہے ۔" (دشتق ۵۴ کی خلاف ورزی)

آج یہ ساری دنیا پہ واضح ہو چکا ہے کہ استعماری طاقتوں کے بعض تنخواہ داروں نے ایران کے مقبوضہ شہروں (خرمشہر ، ہویزہ ، قصر شیرین اور . . . .) کو مکمل طور پہ منہدم اور پیوند زمین کرنے کے بعد کس طرح سے کھلم کھلا تسلیم شدہ بین الاقوامی قوانین و مقررات کا مضحکہ اڑایا ہے (دشتق نمبر ۶۳ کی خلاف ورزی)

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف عراق کی جارحانہ جنگ کو محض ایران کی سرحدوں کے اندر ایک وسیع پیمانہ پہ فوجی مداخلت اور تصادم ہی پہ محمول نہیں کیا جاسکتا ، بلکہ اس جارح حکومت نے جہاں تک زمانہ میں شہریوں کے ساتھ برتاؤ اور مقبوضہ علاقوں میں اقتصادی مناطق اور غیر فوجی مراکز کی تباہی و بربادی کی ممانعت کا تعلق ہے ۔ عملی طور پہ تمام بین الاقوامی انسانی اقدار کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیا ہے ۔

اس وقت مہاجرین کی جن کو عراق کی مجرمانہ جارحیت کے نتیجہ میں اپنے گھر بار سے ہاتھ دھونا پڑے ، کل تعداد تیس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے ۔

ایران کے اہم اقتصادی مراکز ، جیسے تصفیہ گاہیں (ریفائنریاں) ہسپتال ، مدارس ، پیٹرو کیمکل کمپلکس ، بجلی گھروں اور ریلوں کو یا تو مکمل طور پہ نیست و نابود کر دیا گیا ہے یا ان کو شدید ، نقصان پہنچایا گیا ہے (دشتق ۵۴ کی خلاف ورزی)

اکثر و بیشتر رہائشی علاقے ، سرکاری اور غیر سرکاری ادارات و دفاتر ، کسٹم ھاؤس ، بندرگاہی تسہیلات و تنصیبات جو کہ خرمشہر کے آزاد شدہ شہر کے مغربی حصہ میں واقع ہیں اور ایک بہت بڑی مقدار میں تجارتی ساز و سامان بھی جو کہ ایران کی بندرگاہوں کی طرف بھیجا گیا تھا ۔ عراقی افواج کی طرف سے لوٹ لیئے گئے ہیں ۔ (دشتق ۴۸ کی خلاف ورزی)

ایسے حالات میں جب کہ ۱۹۰۷ ر کے کنونشن کی پہلی شق میں مخاصمات کے آغاز کے بارہ

میں صاف صاف لکھا ہے۔

"کنونشن میں شریک تمام حکومتیں اس امر کی پابند ہوں گی کہ ان کی طرف سے جنگی کاروائیاں اعلان جنگ یا الٹی میٹم کی صورت میں پیشگی اور واضح وارننگ کے بغیر شروع نہیں ہوں گی۔

عراق کی کرائے کی ٹٹو حکومت نے ۲۱ شہریور ۱۳۵۹ ھ ش کو ایران کے کئی ایک ہوائی اڈوں بے دفاع شہروں اور دیہاتوں شہریوں اور دیہاتیوں صنعتی اور تجارتی مرکزوں، ہسپتالوں، مسجدوں اور عبادتگاہوں پہ وسیع پیمانہ پہ جارحانہ حملے کر کے متذکرہ بالا شق کو بڑی ڈھٹائی اور بے اعتنائی کے ساتھ اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اب تک ایران کے سرحدی شہروں کے سینکڑوں شہری روسی ساخت کے کیمیائی بموں کے ذریعہ بصارت سے محروم ہو چکے ہیں اور اس قسم کے بموں میں استعمال ہونے والی نائٹروجن گیس کے زیر اثر ان کے جسم کچھ اس بری طرح سے اور ناقابل علاج انداز میں جھلس گئے ہیں کہ ان میں سے اکثر شہادت کے زمرہ پہ فائز ہو چکے ہیں اور یہ سب کچھ ایسے حالات میں رونما ہوا ہے جبکہ دوسری عالمی جنگ کے بعد بین الاقوامی معاہدات و مقررات کی رو سے ایسے مہلک ہتھیاروں سے استفادہ مکمل طور پہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔

یہ سب اس خشونت اور حیوانیت کی صرف چند ایک جھلکیاں ہیں جن کا مظاہرہ عراق کی بعثی حکومت نے اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف اپنی مسلح جارحیت کے دوران کیا ہے۔ ان تمام غیر انسانی جرائم و حرکات کو جس کی دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے دنیا بھر میں کہیں مثال نہیں ملتی، مسلمہ بین الاقوامی قوانین و مقررات کے برعکس اور ان کی نام نہاد نظارت و نگرانی کے باوجود بدستور پوری شدت اور قوت کے ساتھ بروئے کار لایا جا رہا ہے اور ان میں سے کسی بین الاقوامی ادارے یا تنظیم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ دیدہ و دانستہ "تک تک دیدم دم نکشیدم" کے مصداق چون تک نہیں کرتے۔

بہرحال اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ نہ تو بین الاقوامی ناظرین و

مبصرین نے، نہ اقوام متحدہ نے، نہ انسانی حقوق کے دفاع کی تنظیم اور نہ ہی انسانیت و بشریت کے دفاع کی دعویدار اداروں میں کسی نے ابتداء ہی سے کبھی ظالم کے مقابلہ میں کسی مظلوم کی حمایت کی ہے اور نہ ہی دنیا کی کسی جارح طاقت کی طرف سے قانون کا منہ چڑانے کی کوشش کے سامنے ا.... کسی قسم کی مقاومت یا مزاحمت کی ہے اور خونریز حادثات چونکا دینے والے جنایات اور نسل پرستانہ قتل عام کے واقعات میں سے کوئی بھی ان استعماری تنظیموں کو چلانے والوں میں سے کسی ایک کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اگر یہ کہا جائے کہ خود اقوام متحدہ فلسطین کی ارض مقدس کے حصے بخرے کرنے، اس کو غاصب صیہونی حکومت کے سپرد کرنے اور اسرائیل کے غیر قانونی وجود کو قانونی جواز عطا کرنے کرنے کی بنا پر مشرق وسطیٰ کے چالیس سالہ المیے کے سب سے بڑے مجرم کی حیثیت سے مقدمہ چلانا چاہیئے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ کم از کم اتنا تو صاف صاف کہا جا سکتا ہے کہ صیہونیت کے مقابلہ میں اس ادارہ کے بعض نہان وعیان اقدامات اور اسرائیل کے انجام ناپذیر جارحانہ اقدامات پر اس کا معنی خیز سکوت بجائے خود ایسے مؤثر عوامل ہیں جو اس کے تاتاری صفت اور قاتلانہ نظام حکومت کو برقرار و استوار کرنے میں معاون و مددگار رہے ہیں۔

ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام متحدہ اسلامی ملک ایران کے رہائشی علاقوں پر بعثیوں کی طرف سے راکٹوں کے مسلسل حملوں پر جن میں سے صرف ایک ہی حملہ کے دوران ایک ہی رات میں چند لمحوں کے اندر اندر دزفول اور اندیمشک میں چار سو افراد کو ہلاک اور زخمی کر دیا گیا، تیار نہ ہوئی کہ زبانی ہی سہی، اس قرون وسطیٰ جیسی ہولناک کاروائی پر مذمت کے دو بول ہی کہہ دے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے خود بھی براہ راست اور بالواسطہ طور پر دنیا بھر کے سیاسی بحرانوں کو شدید سے شدید تر کرنے میں دخیل ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ اور اجتماعی سطح پر صلح و برادری اور مساوات و برابری

کو وجود میں لانے کی راہ میں کبھی کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا تو شاید غلط نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی تعجب نہیں ہوتا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسانی حقوق کے تحفظ کے ذمہ دار ایسے بین الاقوامی ادارے ہیں جو عربی زبان بولنے والی ایرانی بہنوں کی عصمت لوٹنے کے چونکا دینے والے اور پھر دیہہ یاسین نامی گاؤں کی ان سب بے دفاع عورتوں کو بلڈوزر کے ذریعہ پیوند زمین کر دینے کے سانحہ پہ گونگے بن گئے، مکمل طور پر چپ سادھ لی اور ان تمام قانونی، شرعی، اخلاقی اور سیاسی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں جو کہ ان پہ عائد ہوتی تھیں، لیت و لعل کرنے لگے۔

بین الاقوامی اداروں کو، جو کہ سب کے سب دنیا کی استبدادی طاقتوں کے مخصوص طرز تفکر کی پیداوار ہیں، حق پہنچتا ہے کہ اس دنائیت و رذالت اور قساوت و شقاوت کے مقابلہ میں، بغیر کسی قسم کے احساس مسئولیت و ذمہ داری کے تاریخ اور بیسویں صدی کے افسوسناک سیاسی واقعات و حادثات کے سامنے اپنے چشم و گوش بند کرلیں۔

ان سے اس سے زیادہ نہ تو توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی توقع کرنی چاہیئے کیونکہ جب پستی، درندگی اور بے غیرتی آج کی دنیا کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی ہو، جب دھن دھونس اور دھاندلی خود غرضی، جنگ و جدل اور طبقاتی کشمکش کے ساتھ ساتھ غربت، جہالت، استحصال لوٹ مار اور زیادتی آج کی دنیا کے بطن میں پرورش پا رہی ہو، جب جنگل کے قوانین ہماری آج کی مہذب دنیا کی بنیادی قدر کی صورت اختیار کر چکے ہوں۔ اور جب ہم دیکھتے ہوں کہ صلح و دوستی کے معاہدوں کے نتیجہ میں جو کہ اکثر و بیشتر دنیا کے کونوں کھدروں میں منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

بین الاقوامی اجارہ داری اور جغرافیائی توسیع کے اثر و نفوذ کی راہ میں تیسری دنیا کے ممالک خواہ مخواہ فتنہ و فساد، انقباض ناشائستگی و بے تہذیبی اور خفت و خواری سے دوچار ہو جاتے

---

[1] منطقہ لبنان وغیرہ، جنگ کا پہلا سال انجمن ہلال احمر کا خط نمبر ۲۰۵۹ / انجمن صلیب سرخ کی بین الاقوامی کمیٹی کے نام دمشق نمبر ۷ کی خلاف ورزی)

ہیں اور آج کی دنیا پہ مسلط تیرہ و تار فوجی نظام دنیا کے ممالک کو دو ممتاز دھڑوں (آکل و ماکول اور حاکم و محکوم) میں تقسیم کر دیتا ہے اور قوموں کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی سرنوشت ان ظالمانہ روابط کی بنا پر متعین ہوتی ہے، لازمی امر ہے کہ بین الاقوامی ادارے، جو کہ خاص طور پہ ایسی دنیا کے مرکز ثقل میں واقع ہوئے ہیں، تیسری دنیا کے ممالک میں پیش آنے والے واقعات، و حادثات اور ان میں بسنے والی اقوام کے تاریک مقدرات کے بارہ میں ایسے ہی بے اعتنا اور لاپروا واقع ہوں۔

اگر ہم چاہیں کہ اس بات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقوام متحدہ سالہا سال سے ان ناخوشگوار واقعات و حادثات کی گہرائی و گیرائی اور ایسی بے سروسامانیوں اور نارسائیوں کے اصل منبع و سرچشمہ کو پہنچانتی اور کسی بھی ادارہ کی نسبت بہتر طور پہ ان سے عہدہ برا ہونا جانتی ہے۔

اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل بخوبی جانتا ہے کہ عراق کی مسلط کردہ جنگ کیوں، کن ملکوں کی تحریک انگیخت پہ اور کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ایران کے نو بنیاد السلامی نظام پہ مسلط کی گئی اور اب تک بین الاقوامی معاہدات و مقررات کے برعکس کیسی کیسی کمینگیاں اور خونریزیاں بغداد کی لعنتی حکومت کے توسط سے بروئے کار لائی گئی ہیں اور کیوں گذشتہ سالوں کے دوران ان حکومتوں کی طرف سے جو مذکورہ ادارہ میں "ویٹو" کے ناجائز حق سے بہرہ مند ہیں۔ خلیج فارس کے عرب ممالک کی طرف فوجی سازو سامان کا ایک سیل رواں دواں ہے۔

وہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ دنیا بھر کے سرمایہ دار ٹرسٹ اور مغرب کے کارٹل اس بات پہ کس حد تک قادر ہیں کہ کمزور اقوام کے پاک اور سادہ اذہان و اعتقادات کو گمراہ اور منحرف کرنے کے لئے اخلاقیات و فضائل اور انسان کے اعلیٰ ملکات کو بازیچۂ اطفال قرار دیں۔

اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل یہ بھی بخوبی جانتا ہے کہ کیوں لبنان کی اسلامی سرزمین ایک

"قتل و غارتگری کی لمیٹڈ کمپنی" میں تبدیل ہوگئی ہے اور امریکہ، فرانس، اطالیہ، انگلستان اسرائیل اور دنیا کے دور دراز ترین علاقوں سے خونریزی، مردم کشی اور لبنان کے ستم رسیدہ اور ظلم کشیدہ لوگوں کی دادخواہی کی فریاد کو کچلنے کے لئے کیوں اس سرزمین پہ فوج کشی کرتے رہتے ہیں؟۔

اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ لوگ جو کہ ان جان لیوا مجرموں کی چھاؤنیوں کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے اپنی جانوں سے کھیلتے رہتے ہیں کیا احساسات و جذبات رکھتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے کہ امریکہ اور فرانس کے اسلحہ ساز کارخانوں نے کس انواع و اقسام کے راکٹوں، بموں اور دھماکہ خیز ہتھیاروں کا سیل رواں انسانی حقوق کی پامالی اور مدنیت و قانون کی نابودی کے لئے عراق، سعودی عرب، عمان، چڈ، سوڈان، مصر اور لبنان کی طرف رواں کر رکھا ہے۔

اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل صاف صاف دیکھ رہا ہے کہ افغانستان بین الاقوامی انسانی اور اخلاقی اصول و مقررات کے برخلاف روس کے خنجر بکف سپاہیوں کے بوٹوں تلے کچلا جا رہا ہے جبکہ اس کو اس مسلح مداخلت پہ اعتراض و احتجاج کا معمولی سا حق بھی نہیں دیا جا رہا ہے

اقوام متحدہ کا سیکرٹری جنرل اچھی طرح سے جانتا ہے کہ لاطینی امریکہ میں ہر روز اوسطاً بیسیوں افراد سیاسی خشونت اور دہشت گردی کے نتیجہ میں قتل ہوتے ہیں اور صرف گذشتہ تین سال کے اندر اندر صرف اس کی ایک چھوٹی سی ریاست "جمہوریہ السلواڈور" میں بیس ہزار سے زیادہ عورتیں، مرد اور جوان امریکی ہوائی جہازوں کی بمباری اور اسرائیلی توپوں کی گولہ باری کے نتیجہ میں ہیئت حاکمہ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور اسی طرح انگولا کے لوگوں نے گذشتہ دو سال کے عرصہ میں جنوبی افریقہ کی نسل پرست اور جلاد حکومت کے جراثیمی اور کیمیائی بموں کے ذریعہ سینکڑوں جانوں کی قربانی دی ہے۔

ارجنٹائن، گوئٹے مالا اور بولیویا میں ہزاروں لوگ فوجی انقلابات کے دوران امریکی مشین گنوں کی بوچھاڑ سے مارے جا چکے ہیں، اسی طرح آئرلینڈ کے لوگ ہر روز بوڑھے برطانوی استعمار و استبداد کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں خاک و خون میں لوٹ پوٹ ہوتے ہیں مگر ان انسانیت اور بشریت کی طرفداری و حمایت کی دعویدار تنظیموں میں سے کبھی کسی تنظیم کی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔

اسلامی جمہوریۂ ایران کے صدر کو، جو عوام کے ۱۴ ملین ووٹوں سے منتخب ہوا تھا اور وزیر اعظم کو یکجا قتل کرانے، بم کے ایک ہی ھیبتناک دھماکہ سے اس آب و خاک کے بہتر بہترین سپوتوں کو خاک و خون میں تڑپاتے اور اماماں جمعہ کو بم پھینک کر ان کے پرزے پرزے اڑاتے ہیں مگر یہ نام نہاد امن پسند ادارے پھر بھی بدستور اپنی مرگبار خاموشی اور سکوت کا وطیرہ اپناتے ہیں۔

انسانی حقوق کے تحفظ کی تنظیم وہ تنظیم ہے جس کے قیام کی سالگرہ کے موقع پہ بغداد کی فاشی حکومت نے روسی اور فرانسیسی ہوائی جہازوں کی مدد سے جنوبی ایران کے کمزور اور بے بس عوام پہ اھواز شہر میں کئی ٹن بم برساتے مگر اس تنظیم کے سر میں جوں تک نہ رینگی اور وہ بدستور یوں سوتی پڑی رہی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ بھی ایسے تمام تلخ واقعات کو محض دیکھتی رہتی ہے کیونکہ آج کی دنیا کی سیاسی کیفیت و موقعیت کچھ ایسی ہے جس نے نہ صرف خود اس سے بلکہ اس کی ماتحت تنظیموں سے بھی ہر قسم کی قدرت و حاکمیت سلب کر کے اس کو ایک بے دست و پا اور عاطل و باطل وجود میں بدل کر رکھ دیا ہے۔

قدرتی امر ہے کہ عراق کی فاسد حکومت کے توسط سے بین الاقوامی قوانین و مقررات کی خلاف ورزی پہ ان تنظیموں اور اداروں کا سکوت بھی اس قاعدہ و کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے عراق کی بعثی حکومت کے وسیع پیمانہ پہ پروپیگنڈہ مہم کے برعکس، جس کے ذریعہ

وہ اسلامی جمہوریۂ ایران کے خلاف پر فریب اتہامات و اعتراضات کی بنا پر اپنی بے گناہی کا مدعی اور دعویدار ہے۔ اس بات کے ناقابل تردید شواھد موجود ہیں کہ عراق نے شیطانی، طاقتوں کی تائید و حمایت سے بین الاقوامی معاشرہ کے تمام حقوقی اور اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی کے لئے مسلح جارحیت کے منصوبے بہت پہلے ہی سے بنا رکھے تھے۔

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ اسلامی جمہوریۂ ایران اپنی تاریخی اور قانون ذمہ داری سے پوری طرح آگاہ اور باخبر ہے اور وہ اس خطیر ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے کسی قسم کی خارجی صحنہ سازی اور بہانہ بازی کی معمولی سی ضرورت بھی نہیں محسوس کرتی کیونکہ وہ، ایسی فضول اور بیکار قسم کی بین الاقوامی تنظیموں سے کسی قسم کی توقعات وابستہ کئے بغیر، فاسد لعنتی تشکیلات کو بیخ و بن اور مشرق وسطیٰ کے مجروح بدن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنی آزادی بخش اور تقدیر ساز جنگ کو جاری رکھنے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی جمہوریۂ ایران ماضی کی طرح اب بھی ایک ایسے منطقہ میں جو کہ بغداد کی جارح اور توسیع طلب حکومت کے حملہ کا نشانہ بنا ہوا ہے، صلح و امنیت کو برقرار اور استوار کرنے کے لئے پوری استقامت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔

اسلام صلح و سلامتی اور عدل و انصاف کا دین ہے اور ایران و عراق کی ہر دو مسلم اقوام اخلاقی اور ثقافتی وابستگی اور پیوستگی کے میدان میں ہمیشہ سے وحدت و یگانگت اور شراکت کی طویل تاریخ کی امین رہی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جنگ بدترین جرم ہے جو ممکن ہے انسانوں کے توسط سے سرزد ہو سکتا ہو اور اس قوم کے پاس، جس پر جنگ ٹھونسی جائے، اپنا دفاع کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ ایسی حالت میں دفاع کا مسلمہ حق ایک آبرومندانہ صلح کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ طرز فکر دنیا کے مسلّمہ قوانین و مقررات کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتا ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ اقوام متحدہ کا کوئی رکن ملک مسلح جارحیت کا نشانہ بن جائے، اس منشور کے قوانین و مقررات کی کوئی شق، جب تک سیکیورٹی کونسل بین الاقوامی سطح پہ صلح اور امنیت کے تحفظ کے لئے کوئی ضروری اقدام نہ کرے انفرادی یا اجتماعی طور پہ جائز دفاع کے فطری حق کو متاثر نہیں کرے گی۔[1]"

" اقوام متحدہ کے رکن ملک کی ارضی تمامیت یا سیاسی استقلال کے خلاف ہر قسم کی خارجی، جارحیت کا ارتکاب مکمل طور ممنوع ہے خارجی جارحیت کی مطلق ممانعت سے متعلق واضح صراحت اس مسئلہ میں جائز دفاع کے بارہ میں واضح طور پہ بیان کی گئی ہے اور اس کے اخلاقی وقانونی جواز کو تسلیم کیا گیا ہے اور ایسی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ عمل مدافعانہ انداز میں یا جارحانہ انداز میں بروئے کار آئے۔[2]"

انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی جمہوریۂ ایران کی خارجہ پالیسی کا جائزہ میں نے اور اس مسلط کردہ جنگ میں ایران کی پالیسیوں پہ ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد تمام آزاد خیال ذہن روشن ضمیر لوگ، چشمہائے بینا اور گوشہائے شنوا، یہ اصولی اور بنیادی نتیجہ اخذ کر چکے ہیں۔ کہ نہ صرف یہ کہ ایران جنگ کا خواہاں نہ تھا بلکہ وہ اس تباہ کن نظریہ کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسی حیثیت و موقعیت ہے کہ اس کا صرف اسلامی جمہوریۂ ایران پہ ہی اطلاق نہیں ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ اگر جنگ اور دوسروں کے حریم میں تجاوز کی، دنیا کے سیاسی منشور اور بین الاقوامی روابط کے آئین کی رو سے، مذمت نہ کی جائے اور جارح اپنی قانونی و منطقی سزا کو نہ پہنچے تو پھر بے شک کوئی نظریہ، کوئی نظام اور کوئی طرز تفکر، دنیا کے کسی بھی خطہ میں، جارحیت و تجاوز سے محفوظ نہیں رہے گا اور یہ ایک ایسی روشن حقیقت اور بین واقعیت ہے جس کے اثبات کے لئے دلائل و براہین کی چنداں ضرورت نہیں۔

---

[1] اقوام متحدہ کے چارٹر کی شق نمبر ۵۱۔ [2] میثاق اقوام جامعہ کی شق نمبر ۱۰۔

فصل ششم

جنگ اور صلح مسلّط کرنے کی کوششیں

جن لوگوں نے اپنے خیالی اہداف و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بغداد کی مجرمانہ حکومت کو جنگ، جارحیت اور خونریزی پر اکسایا اور بزعم خویش بعثی حکومت کو ایک ہفتہ سے بھی کم عرصہ میں اسلامی جمہوریۂ ایران کے نوبنیاد نظامِ اسلام کو اکھاڑ پھینکنے پر مامور کیا وہ ہرگز نہیں جانتے تھے کہ جنگ کا دائرہ یوں پھیل جائے گا اور اس کی نیست و نابود کر دینے والی آگ کے شعلے خلیج فارس کے تمام علاقہ میں ان کے نامشروع اور ناجائز مفادات کو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔

انہوں نے اپنے اس زعمِ باطل کے برعکس نہایت حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا کہ جنگ آہستہ آہستہ صدام کی فوج کی ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کو توڑ پھوڑ رہی ہے، عراقی اقتصادیات کا ستیاناس کر رہی ہے اور انقلابی بعثی حکومت کی بنیادوں کو لحظہ بہ لحظہ کھوکھلا کر رہی ہے۔ انہوں نے اپنی مذموم توقعات کے برعکس جلد ہی جان لیا کہ یہ جنگ ایران کی مسلح افواج کی فوجی استعداد کی تقویت کا وسیلہ اور اس کے جنگجو اور خدا پرست مدافعین کی جنگی طاقت کی افزائش کا ذریعہ بن گئی ہے اور اس نے رضاکارانہ اور مشتاقانہ انداز میں لوگوں کو جنگ کے محاذوں کی طرف سیل آسا رواں دواں کر دیا ہے ملک کے داخلی تشنجات کو، جو کہ ہر انقلاب کے مابعد اثرات کا فطری نتیجہ ہوتے ہیں، رفتہ رفتہ ختم کر دیا ہے ایران کی حیثیت و موقعیت کو منطقۂ خلیج فارس کے ایک ملک کی بجائے اس علاقہ کے منظم ترین اور مضبوط ترین ملک کے طور پر مستحکم کر دیا ہے اور اس ملک کے سیاسی اور فوجی اقتدار اور تسلط کو دنیا کے سیاسی حالات کو تبدیل کرنے اور مشرق وسطیٰ کے سیاسی مقدرات کو دگرگوں کر دینے کی صلاحیت و استعداد کے اعتبار سے مؤثر تر کر دیا ہے۔

شیطانی طاقتوں کے ہاں دور اندیشی کا فقدان اور ان کے سیاسی شعور کی کمی اس بات کا سبب بنی کہ وہ عراق کے توسط سے اس مسلط کردہ جنگ سے پہلے تک ان بیّن و درخشاں حقائق کی پیش بینی نہ کر سکے جس کا بدیہی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اس بات کے لیے تگ و دو شروع کر دی کہ جیسے بھی ہو سکے خود سوختہ ہونے کے بعد خود افروختہ آگ کو ٹھنڈا کر کے، اس مسلط کردہ جنگ میں اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں ناکام ہونے کے بعد اب کی بار جنگ کی بجائے اسلامی جمہوریۂ ایران پر شرمناک اور اپنی من مانی شرائط پر "صلح" مسلط کریں

آفاقی استبداد و استعمار نے جنگ کو "روکنے" کے لیے آغازِ جنگ کے بعد کہ "بیچارے" دشمن کے ساتھ جنگ میں ایرانی عوام کے جسدِ واحد ہونے کی شاہد تھی۔ ابتدائی ایام ہی سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ اسی روز سے جب کہ کروڑوں لوگوں نے جنگ کے ابتدائی لحظات و ساعات میں "امریکہ مردہ باد" روس مردہ باد" اور "جنگ جنگ فتح تک جنگ" کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کیے۔ کبوتران صلح" یعنی مصالحتی وفود سرگرم عمل ہو گئے۔

اس سے پیشتر کہ ان بظاہر صلح جو وفدوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے چند نکات کا ذکر ضروری ہے:

۱۔ اولین حقیقت جو کہ اس سارے عرصہ میں صلح صفائی کی ان تمام نام نہاد کوششوں کے سلسلہ میں ہماری توجہ کو اپنی جانب مبذول کراتی ہے، یہ ہے کہ ان صلح پسندوں کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ بجائے اس کے کہ جنگ کے خاتمہ، جارح کی تشخیص اور تنبیہ کے سلسلے میں معاون و مددگار ثابت ہوں، اپنے سیاسی قد و قامت کو بلند اور اپنی بیّن الاقوامی حیثیت کو مستحکم کریں اور بعض دوسرے سربراہانِ مملکت محض اس لیے پرائے پھٹے میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ تاکہ خود کو دنیا سے صلح کے چیمپئن کی حیثیت سے متعارف کرائیں۔

۲۔ ان وفود نے کبھی اپنے کسی ایک دورہ میں بھی گذشتہ دورہ کی نسبت بہتر حل پیش نہیں کیا اور ہمیشہ پہلے والے بے اثر اور بے ثمر نسخہ ہی کو دوبارہ تجویز کیا ہے یہی امر ہمیشہ اس

۱۔ بروز جمعہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۰ء کو جب کہ جنگ شروع ہوئے صرف چار روز گزرے تھے۔

بات کا باعث بنا کہ ان دوروں کا مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا اور حجت الاسلام والمسلمین رفسنجانی نے رسمی طور پر ان وفود سے درخواست کی کہ، اگر ان کے پاس کوئی نئی بات کہنے کو نہیں تو، ایران کا دورہ نہ کریں۔

۳ر ان وفود کی آمد و رفت، جیسا کہ ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے، عام طور پر ہمیشہ اس وقت شروع ہوتی تھی جب اسلام کے جنگجو مجاہدوں کو کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوتی تھی یا بعثی حکومت کو مختلف محاذوں پر شرمناک شکست و ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور یہ امر واقعہ بجائے خود عراق کی شکست اور اسلامی جمہوریۂ ایران کی فتح پر آفاقی استعمار و استبداد کی دہشت و بیقراری اور اسی طرح سے ان وفود کے کٹھ پتلی ہونے کا مظہر ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی کوشش اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی طرف سے شروع ہوئی۔ سیکورٹی کونسل نے حکومت بغداد کی وحشیانہ جارحیت کے چند روز بعد اپنا ہنگامی اجلاس طلب کیا اور ۶ مہر ماہ ۱۳۵۹ھش کو ایک قرارداد منظور کی جس کے توسط سے ہر دو متحارب ملکوں سے درخواست کی کہ ہر قسم کے قوت کے استعمال سے فوراً ہاتھ کھینچ لیں اور اپنے مناقشات و اختلافات کو صلح آمیز انداز میں بین الاقوامی عدالت و حقوق کے اصولوں کے مطابق حل و فصل کریں اس قرارداد کی رو سے نہ صرف یہ کہ عراقی جارحیت کی مذمت نہ کی گئی بلکہ صدام کی جارح افواج سے اسلامی جمہوریۂ ایران کے مقبوضہ علاقوں سے انخلاء کا مطالبہ بھی نہ کیا گیا۔

سیکیورٹی کونسل کی اس کارروائی کے ساتھ ہی ساتھ ضیاء الحق، صدر جمہوریہ پاکستان، حبیب شطی، اسلامی سربراہی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل اور یاسر عرفات فلسطینی تنظیم آزادی کی مجلس عاملہ کے صدر نے الگ الگ تہران اور بغداد کے دورے کئے اور اس مسلط کردہ جنگ اور اس کے خاتمہ کے بارہ میں دونوں ملکوں کے ارباب بہت و کشاد کے ساتھ مذاکرات کیے۔

۱۳۵۹ھش کے ماہِ آبان کے اواخر میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی نمایندہ اور اولاف پالمہ نے اس مسلط کردہ جنگ کے خاتمہ کے سلسلہ میں اپنی پہلی مأموریت کا آغاز کرتے ہوئے

اس نے ماہ اسفند میں اپنے پہلے دورہ تہران کے دوران کہا۔

" ایرانی حکام ۱۹۷۵ء میں منعقد ہوئے والے پیماں ایوارڈز کو تسلیم کرتے ہیں۔"

اس نے جارحیت کی جارحیت کے بارہ میں اظہار رائے کے لیئے بغیر اعتراف کیا کہ:

ایرانی اپنے بنیادی حقوق کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے

اسلامی کانفرنس کے منتخب نمایندوں کا ایک وفد، جو کہ آٹھ ممالک کے سربراہوں

اعلی اسطح کے حکام اور اس کانفرنس کے سیکرٹری جنرل پر مشتمل تھا اور جو کہ دیما ۱۳۵۹ھ ش

میں طائف میں منعقد ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس کی طرف سے اس مسلط کردہ جنگ کو ختم

کرانے کی کوشش کے لیے مامور کیا گیا تھا سب سے پہلی بار ۹ اسفند ۱۳۵۹ھ ش میں تہران آیا امام امت

نے اس وفد کے ساتھ، جو کہ صلح صفائی اور امن وامان کی فضا کو برقرار اور استوار کرنے پر زور دے

رہا تھا ملاقات کے دوران قرآنی احکام کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

" اگر مسلمانوں کا ایک گروہ، بالفرض کہ وہ مسلمان بھی ہو مسلمانوں کے دوسرے گروہ پر

حملہ آور ہو۔ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ جنگ کریں"

ایران کے اسلامی انقلاب کے رہنمائے اعظم نے اپنے بیان میں مزید فرمایا۔

" آپ یہ دیکھئے کہ ہم نے ان پر حملہ کیا ہے یا انہوں نے ہم پر حملہ کیا ہے اگر آپ اس نتیجہ پر

پہنچیں کہ ہم نے پہل کی ہے تو آپ ہمارے خلاف جنگ کریں اور اگر آپ یہ تشخیص دیں کہ

انہوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے تو ان کے خلاف جنگ کریں کفر و اسلام کے مابین

جنگ کا یہی مطلب ہے"

اسلامی جمہوریۂ ایران نے شروع شروع میں محض اپنے عادلانہ اور حق پرستانہ موقف

اور پالیسی کی تشریح و توضیح کے لیے ان وفود کو خوش آمدید کہا۔

ان حالات میں، جبکہ اسلامی جمہوریہ ایران جارح کی تشخیص و تنبیہ اسلامی ملک ایران کی

سرزمین سے عراقی افواج کے غیر مشروط اخراج اور قرارداد الجزائر پر عمل پیرا ہونے کا خواستگار

طلبگار تھا، جمہوریۂ گنی اور اس وفد کے صدر احمد سیکو طورے نے کہا:

"ہمیں چاہیئے کہ پہلے اس آگ کو بجھائیں اور پھر یہ دیکھیں کہ یہ آگ کس نے بھڑکائی ہے"۔

اس نے یہ بھی کہا:

"ہمارے پاس سردست کسی ایک فریق کو قصوروار ٹھہرانے کی کوئی گنجائش نہیں"۔

ان حالات میں صدام نے، جس کے سر میں ابھی تک ایران کو فتح کرنے اور اس کے اسلامی انقلاب کو شکست سے دوچار کرنے کا سودا سمایا ہوا تھا، اعلان کیا:

"عراقی افواج، جب تک موجودہ اختلافات کو دور کرنے کے سلسلہ میں مذاکرات کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچیں گے اپنی سرحدوں تک پسپائی اختیار نہیں کریں گے خواہ جنگ آئندہ دس سال تک جاری رہے۔"

طائف کانفرنس کے منتخب نمائندوں پر مشتمل وفد نے اپنے دورہ تہران کے دوران تجویز پیش کی کہ سردست فریقین کے درمیان ایک عبوری متارکۂ جنگ کا معاہدہ طے پا جائے اور عراقی افواج فی الفور نہیں بلکہ متارکۂ جنگ کے معاہدہ کے بعد چار ہفتوں کے اندر اندر ایران کی سرزمین سے نکل جائیں اور پھر دونوں کے درمیان تمام اختلافات کو سیاسی سطح پر حل کرنے کی کوششیں کی جائیں یاد رہے کہ اس تجویز میں جارح کی تشخیص اور تنبیہ کے مسئلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا تھا۔

لیکن اس وفد نے اپنے اگلے دورہ میں، جو کہ چفالوند کی پہاڑیوں کو تسخیر کے لیے مجاہدانہ عملیات اور دریائے کرخہ کور پر باندھے جانے والے خاکی بند کے بھک سے اڑ جانے کے بعد کیا گیا۔ حملہ آور کی تشخیص و تحقیق کے اصول کو بھی مان لیا۔

ناوابستہ ملکوں کی تنظیم کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے، جو ماہ بہمن ۱۳۵۹ھ ش میں نئی دہلی میں منعقد ہوئی، ہند کیوبا اور زمبابیا کے وزرائے خارجہ اور فلسطین کی تحریک آزادی کے نمایندوں پر مشتمل ایک وفد کو اس مسلط کردہ جنگ سے پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ لینے کے لیے مامور کیا۔

اسلامی جمہوریۂ ایران کے حکام نے فروردین ۱۳۶۰ھ ش میں اس وفد کے دورۂ تہران اور دزفول

اور اہواز کے عراقی فضائیہ کی بمباری سے تباہ شدہ علاقوں کا معائنہ کرنے کے بعد، ایک بار پھر اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا:

"متارکۂ جنگ اور (عراقی افواج کی) پسپائی ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہیں اور عراقی افواج کی پسپائی کے بغیر متارکۂ جنگ ایک بے معنی اور لایعنی چیز ہے"

اردیبہشت، خرداد اور تیر ۱۳۶۰ ھ ش میں ایک بار پھر اسلامی کانفرنس اور غیر وابستہ ممالک کی تنظیم کے منتخب نمایندوں پر مشتمل وفود اور اولاف پالمے نے تہران اور بغداد کے دورے کئے لیکن ان کے دوران ان کی پیش کردہ تجاویز میں پھر بدستور عراقی افواج کے غیر مشروط انخلاء کے مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

اس وقت کے وزیر اعظم محمد علی رجائی شہید نے غیر وابستہ ممالک کے وفد کے تیسرے دورہ کے موقع پر اس کے اراکین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ہم جنگ کا فیصلہ جنگ کے میدانوں ہی میں کریں گے"

۵ ماہ مہر ۱۳۶۰ ھ ش میں آبادان کا محاصرہ توڑ دینے کے بعد ہمارے ملک کے مسلمان مجاہدین کی حماسہ آفرین جنگ کی تاریخ کا ایک نیا مورچہ شروع ہوا، ایک ایسا انقلابی مورچہ جو بعد ازاں غیر ملکی نشریاتی اداروں کی طرف سے بعثی حکومت کی حتمی شکست کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا۔ ایسی ہی کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے بعد بھی طریق القدس، آزادی بستان اور والفجر کے ناموں سے کی جانے والی فوجی کاروائیوں کے نتیجہ میں بدستور حاصل ہوتی رہیں۔

اس دوران میں چند ماہ تک بظاہر ان صلح پسند وفود کی سرگرمیاں معطل رہیں لیکن ماہِ اسفند ۱۳۶۰ ھ ش سے) جبکہ عسکری سیاسی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے عراقی حکومت کی حالت خاصی پتلی ہو چکی تھی اور بعثی فوج کے خفیہ گشتی مراسلوں کے مطابق، فوجیوں کی کھسر پھسر اور جنگ لڑنے میں ہچکچاہٹ اور اکتاہٹ عراقی حکومت کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی، ایک بار پھر ان "صلح پسند وفود" کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔

اسلامی مجلس شورای کے صدر اور اسلامی جمہوریۂ ایران کی اعلیٰ سطح کی دفاعی کونسل میں امام عالی مقام کے نمایندہ حجت الاسلام والمسلمین ہاشمی رفسنجانی نے طائف کانفرنس کے منتخب نمائندوں پر مشتمل وفد کے پانچویں دورۂ ایران کے موقع پر فرمایا:

ان وفود کی غلطی ہے کہ وہ مظلوم سے توقع کرتے ہیں کہ وہ درگذر سے کام لے"

حجت الاسلام والمسلمین سید علی خامنہ ای، صدر اسلامی جمہوریہ ایران، نے بھی سال ۱۳۶۰ ھ ش کے اختتام پر خیر سگالی وفد کے صدر احمد سیکوطورے کے نام ایک پیغام کے دوران صدام کی حکومت کی جو کہ ایران پر جنگ جوئی اور مبارزت خوئی کی تہمت لگاتی تھی۔ تبلیغاتی حیلہ بازیوں اور نرنگ سازیوں کے بارہ میں اعلان کیا:

"اسلامی جمہوریۂ ایران دل کی گہرائیوں سے ایک عادلانہ اور واقع بنیانہ صلح کی خواستگار وطلبگار ہے ایک ایسی صلح کی جو یہ ظاہر و آشکار کردے کہ جنگ میں پہل کرنے والے اور جارحیت کا ارتکاب کرنے والے کبھی کامیاب و کامگار نہیں ہوں گے"

انہوں نے اپنے پیغام میں مزید فرمایا:

"حکومت عراق ایک حقیقی اور واقعی صلح کو برقرار و استوار کرنے کی مطلق خواستگار وطلبگار نہیں بلکہ وہ ناقابل قبول تجاویز و شرائط کے ذریعہ رکاوٹیں کھڑی کر کے محض تبلیغاتی فوائد حاصل کرنے کی خواہاں ہے"

جناب خامنہ ای نے ایک بار پھر اسلامی جمہوریۂ ایران کی مبنی برحق و انصاف شرائط یعنی عراقی افواج کے غیر مشروط اخراج، جارح کی تشخیص، اس کے کئے کی سزا اور تاوان جنگ کی ادائیگی پر زور دیا اس کے علاوہ انہوں نے ایک لاکھ سے زائد خانہ برانداز عراقی مہاجرین کا ان کے خانہ و کاشانہ کی طرف مراجعت کو بھی صلح کی برقراری و استواری کے لیے ایک لازمی شرط قرار دیا۔

اپریل ۱۹۸۲ء میں، جبکہ ایران کے سر بکف اور کفن بردوش مجاہدوں نے "فتح المبین" نامی جنگی کارروائیوں کے نتیجہ میں اسلامی ملک ایران کے مقبوضہ علاقوں کا ایک بہت بڑا حصہ آزاد کرانے کے بعد صدامی افواج کو شکست فاش دے دی، نادالبتہ

ممالک کی تنظیم کا ایک نمایندہ وفد چوتھی بار تہران آیا۔

اسلامی کانفرنس اور عالمی اسلامی کانگریس کی طرف سے بھی دونوں ملکوں کے درمیان وفود کی آمدورفت شروع ہوئی۔ یہاں پر اس دور کے بعض اہم واقعات کی یاد دہانی کے طور پر الجزائر کے مرحوم وزیر خارجہ محمد بن یحیٰ کے سفر تہران کا ذکر کرنا ضروری ہے جو اس مسلط کردہ جنگ سے متعلقہ مسائل کا جائزہ لینے ایران آرہا تھا۔ اور جس کے جہاز کو جارح بعثی حکومت کے لڑاکا بمبار طیاروں نے اپنی جارحیت کا نشانہ بنا کر اسے شہید کر ڈالا تھا۔

عملیات "بیت المقدس" کی کامیابی اور مجاہد پرور شہر خرمشہر کی بازیابی کے دو ہفتہ بعد اسلامی کانفرنس کے نمایندہ وفد نے آٹھویں بار دونوں ملکوں کا دورہ کیا۔

لیکن اس بار بھی اس وفد کا دورہ جنگ ختم کرانے کے لیے کوئی بنیادی اور منصفانہ حل لے کر نہ آنے کے باعث بے اثر اور بے ثمر رہا۔

لبنان پر صیہونیوں کی وحشیانہ یلغار، اور اس سرزمین میں ان کی جارحیت، جو کہ ۲۰ اردیبہشت ۱۳۶۱ ھ ش میں شروع ہوئی، بجائے خود ان عوامل میں سے ایک عامل ہے جس نے اپنی کفر اور صیہونیت اور امپریلزم کے سرسپردگان اور برد گاں کے خلاف جنگ اور مسلمانان عالم کے محبوب قبلۂ اول یعنی بیت المقدس تک پہنچنے میں کامیابی اور مقبوضہ علاقوں کی بازیابی کے بارہ میں ایران کی ملت مسلمان کے عزم کو پختہ کر دیا۔

بین الاقوامی تنظیموں اور امن وفدوں کے طریقہ کار کا جائزہ لیتے وقت اس چار سالہ جنگ کے دوران حکومت عراق کی جارحیت اور اس کے ایران کی سرحدی پٹی پر قبضہ کے بارہ میں اقوام متحدہ کا رد عمل سب سے زیادہ قابل غور اور توجہ طلب ہے ہر چند کہ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کے خصوصی نمایندہ اولاف پالمہ نے چھ بار ایران و عراق کے درمیان آمدورفت کی لیکن یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ اس عالمی تنظیم اور اس کی حفاظتی کونسل نے گذشتہ سال کے ماہ تیر تک محض چند جلسوں کی تشکیل اور بے نتیجہ قراردادوں کی تصویب پر، جو اس نے جنگ کے شروع ہی میں منعقد کیں اور جس کے دوران اس نے جارح افواج کی غیر مشروط واپسی پر نہیں بلکہ محض متارکہ جنگ پر زور دیا تھا، اکتفا کیا۔

لیکن گذشتہ سال ۲۲ ماہ تیر کو، جب ایران کے خدا پرست مجاہدوں نے بعثی جارحین کو اکثر و بیشتر مقبوضہ علاقوں سے باہر دھکیل دیا اور ایران و عراق کی مسلم اقوام کی آرزوؤں کی تکمیل کے سلسلہ میں سرزمین عراق میں ایرانی مجاہدوں کی برق

رفتار پیش قدمی کے نتیجہ میں امپریلیسٹ اور استعماری حلقوں کی پریشانی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو سیکورٹی کونسل کے اراکین نے اپنے ایک اور اجلاس میں ارون کی فاسد حکومت کی درخواست پر، جسے امریکہ کی تائید و حمایت حاصل تھی، صدام کی حکومت کو سقوط سے بچانے کے لئے ایک قرارداد منظور کی اس قرارداد کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس قرارداد میں، جو کہ ماہ رمضان کے آغاز سے ذرا پہلے شروع ہونے والی عظیم فوجی کاروائی کے بعد منظور ہوئی تھی، پہلی بار متارکہ جنگ (سیز فائر) کے ساتھ ساتھ عراقی افواج کے انخلاء کا ذکر بھی آیا اور اس ضمن میں دونوں ملکوں کی سرحدات پر امن و صلح کی نگرانی کرنے والی اس نام نہاد "امن فوج" کے تقرر کی بھی درخواست کی گئی اس قرارداد نے ایک بار پھر اقوام متحدہ کی استعماری طاقتوں کے مجرمانہ اور تقسیم طلبانہ منصوبوں کے سلسلہ میں ملی بھگت اور گٹھ جوڑ کا ساری دنیا کے سامنے بھانڈہ پھوڑ دیا۔

یورپ کی اقتصادی برادری (بازار مشترک) نے بھی اپنے ایک اجلاس کے دوران "عملیات رمضان" اور سرزمین عراق میں اسلامی افواج کی پیش قدمی پر سخت پریشانی کا اظہار کیا اور جنگ ختم کرانے پر زور دیا۔

گذشتہ سال ماہ مہر میں بھی، جب اسلام کے جیالے مجاہدوں نے اپنی "مسلم بن عقیل" نامی فوجی کاروائیوں کے دوران نہ صرف یہ ہے کہ اپنے وطن عزیز کے مغربی زون کے بہت بڑے حصہ کو آزاد کرا لیا بلکہ عراق کے شہر "مندلی" پر بھی قبضہ کر لیا تو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل نے ایک بار پھر اپنے ایک اجلاس میں دونوں متحارب ملکوں سے آتش بس (سیز فائر) کی درخواست کی اس کے نتیجہ میں دنیا بھر کی خبر رساں ایجنسیوں کے توسط سے اسلامی کانفرنس کی طرف سے نام نہاد صلح جوئی کی کوششیں از سر نو شروع کرنے کی خبر نشر کی گئی۔ اس خبر کے نشر ہونے کے جلد ہی بعد مذکورہ تنظیم ایک وفد نے سنیگال کے وزیر خارجہ کی سربراہی میں تہران و بغداد کے لئے نتیجہ اور لاحاصل دورے شروع کئے۔

ان دوروں کے دوران جنگ کو ختم کرنے کے سلسلہ میں کچھ نئے اقدامات کی پیشکش پر مبنی احمد سیکوطورے کا ایک تحریری پیغام ہمارے صدر جمہوریہ، سید علی خامنہ ای، کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جنہوں نے اس نئے مذکورہ منصوبہ کو یکسر مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم صرف اس وقت متارکۂ جنگ کی تجویز کو قبول کر سکتے ہیں جب جنگ کے خاتمہ کے لیے ہماری شرائط کو قبول کرنے کی ضمانت دی جائے ایسی صورت میں ہم امریکہ اور اس کے زیر اثر حکومتوں کی امن بحال کرنے کی مساعی اور اقوام متحدہ میں ان کے اقدامات پر سرد مہری کا مظاہرہ نہیں کریں گے ان وفود میں سے بعض وفدوں کے عزائم نیک نیتی اور خیر سگالی کے جذبات و احساسات پر مبنی ہونے کی بجائے اس منطقہ میں امریکی اثر و نفوذ کے تابع اور زیر اثر ہوتے ہیں۔"

بروز سوموار ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اقوام متحدہ میں ایران کے مستقل مندوب نے سیکرٹری جنرل کے نام ایک یادداشت کے دوران اعلان کیا:

"جب تک دشمن ہماری سرزمین کے اندر گھسا بیٹھا ہے آپ ہم سے متارکۂ جنگ کے بارہ میں مذاکرات کی دعوت کو قبول کرنے کی ہرگز توقع نہ رکھیں، ہمیں میدانِ جنگ میں اپنے باایمان اور عقیدہ کے پکّے جانبازوں کی جانبازی پر پورا بھروسہ ہے اور ہم اپنے ملک و قوم کے جائز حقوق کا ہر قیمت پر دفاع کریں گے۔

اسی روز صدر جمہوریہ شام حافظ الاسد نے بیروت کے روز نامہ "النہار" کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

"اس علاقہ میں آتش جنگ کو ہوا دینے کی مکمل ذمہ داری عراق پر عائد ہوتی ہے اور اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے شک و تردید کی کوئی گنجائش نہیں۔"

بروز بدھ یکم نومبر ۱۹۸۲ء کو ہمارے صدر جمہوریہ نے اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل احمد سیکوطورے کے نام ایک خط میں واضح طور پر لکھا۔

آپ کے وفد کے مصالحتی منصوبہ میں نہ صرف یہ کہ ایران کی انقلابی قوم کے مسلّمہ اور جائز حقوق میں سے کسی ایک حق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ عراق کی جارح حکومت کی کھلم کھلا طرفداری بھی

کی گئی ہے۔" اسی خط میں بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا گیا :

"امریکی سیاستدار ہم پر ایک ایسی صلح مسلط کرنے کے لیئے کوشاں ہیں جس کا نتیجہ وہی ہے جو فوجی جارحیت اور مسلط کردہ جنگ کا نتیجہ ہے لیکن اب ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ صرف ہمارے اسلام کے فدا کار سرفروشوں کے زورِ بازو ہی سے ایران کے جائز حقوق کی حمایت ثابت ہو سکے گی۔

اس کے اگلے ہی روز ایران کی اسلامی مجلس شوریٰ کے صدر نے رسمی طور پر ان صلح جو وفود" سے درخواست کی اب اگر وہ اپنے ساتھ نئی تجاویز نہ لائیں تو براہِ کرم ایران واپس نہ آئیں اسی روز آدھی رات کو ایران کے جنوبی زون میں کامیاب و کامران "محرم آپریشن" کا آغاز ہوا جس کے دوران اسلامی ملک ایران کی خاک پاک کا ۵۰۰ کلومیٹر مربع علاقہ آزاد کرا لیا گیا اور دھلران، موسیان اور عین خوش شہر، جو کہ اس مسلط کردہ جنگ کے شروع ہی سے ہمیشہ دشمن کے توپخانہ کے گولوں کی زد میں تھے، دوبارہ دشمن کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

۳ جنوری ۸۳ء کو بھی ایک الجزائر وفد نے اس ملک کے وزیر خارجہ کی سربراہی میں تہران کا ایک اور ناکام دورہ کیا۔

محاذ جنگ پر اسلام کے یکتا پرست مبارزوں اور مجاہدوں کی پے در پے فتوحات اور بعثی افواج کی تدریجی شکست و ریخت اور ضعف و ناتوانی کی علامات کے ظہور کے بعد سیاسی سرگرمیوں نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ دسمبر ۱۹۸۲ء کے اواخر سے علاقہ کی سطح پر مشکوک اور مداوم آمد و رفت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا، شاہ حسین اور شاہ فہد اور عرفات بغداد آئے اور سعودی عرب کے ایک وفد نے دمشق کا دورہ کیا، تیونس کا وزیر خارجہ کویت میں وارد ہوا، اردن کا ایک فوجی وفد متحدہ عرب امارات میں وارد ہوا۔ ان کے علاوہ کئی ایک فرانسیسی وفد یکے بعد دیگرے اس علاقہ میں آئے گئے اور منطقہ کے ممالک سے عراق کی بجرم حکومت کی ہمہ جہت اور سنجیدہ حمائت و اعانت کے خواہاں ہوئے۔

اس کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کی اپنے مؤقف پر برقراری اور استواری کو دیکھ کر ان بیچ بچاؤ کرانے والی شخصیتوں اور بین الاقوامی تنظیموں کی سرگرمیاں چند ماہ کے لیے ٹھنڈی پڑ گئیں اور جنگ بند کرانے کے لیے سوائے خالی خولی اور زبانی درخواستوں اور نام نہاد سیاسی بیانات پر مبنی سفارتی کوششوں

کے اور کوئی نمایاں سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی۔

۱۷ رمئی ۱۹۸۳ء کو ایک بار پھر ایک اور اعلیٰ سطح کا الجزائری وفد اپنے وزیراعظم کی سربراہی میں تہران آیا اور اس مسلط کردہ جنگ کے بارہ میں اسلامی جمہوریہ ایران کے حکام کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھا۔

ماہ خرداد ۶۲ ھ ش میں جبکہ خلیج فارس کے علاقہ کے ملکوں کے زندگی کے لیے فضائی ماحول کو بہتر بنانے والی تنظیموں کے نمایندے بمباری کے زیر اثر سمندر میں بہہ جانے والے تیل سے پیدا ہونے والی فضائی آلودگی سے متعلق مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیئے کویت میں اکٹھے ہوئے تھے، موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شمالی محاذ اور پنجوین زوق میں" والفجر ۲ آپریشن" کے نتیجہ میں ایرانی افواج کی شاندار کامیابیوں کے بعد انہوں نے جنگ کے خاتمہ کے لیے ایک اور مضحکہ خیز اور تمسخر آمیز منصوبہ پیش کیا۔ اکتوبر ۸۳ء کے اوائل میں ایک بار پھر اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے چند نام نہاد ناوابستہ حکومتوں کی جن کو حکومت فرانس کی تائید و حمایت حاصل تھی، درخواست پر جنگ کے نام نہاد خاتمہ کے لیئے ایک اور اجلاس بلایا اور ایک بار پھر نہایت ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ دونوں ملکوں کی سرحدوں پر نام نہاد امن فوج متعین کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد ایک بار پھر اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل حبیب شطی کے توسط سے اعلان کیا گیا کہ جنگ ختم کرانے کچھ نئے اقدامات کئے جارہے ہیں اور اس معاملہ میں جمہوریہ گنی اور جمہوریہ سینیگال کے صدور کے ساتھ رابطہ قائم کیا جارہا ہے۔

مسلمہ امر تو یہ ہے کہ ان تمام سرگرمیوں، گفت و شنید اور آمد و رفت کے باوجود ایران کی شہید پرور اور مجاہد قوم (مسلط کردہ جنگ کی طرح) مسلط کردہ صلح کو بھی ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ اسلامی جمہوریہ ایران خاتمہ جنگ کے لیے اپنی مبنی برحق شرائط یعنی مقبوضہ علاقوں سے جارح افواج کی غیر مشروط پسپائی، جارح کی تشخیص اور تنبیہہ، تاوان جنگ کی ادائیگی اور ایک لاکھ سے زائد عراقی مسلمانوں کی ان کے وطن میں آبرومندانہ واپسی کے لیے اصرار کرتی رہے گی۔ اور اپنے جائز اسلامی اور انسانی مؤقف سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔

فصل ہفتم

جنگ اور اُس کے نتائج

اس مسلط کردہ جنگ کے اہم ترین پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو اس کے ان نتائج و عواقب سے متعلق ہے جو بین الاقوامی سطح پر اور متحارب ملکوں میں داخلی اور خارجی سطحوں پہ نمودار ہوئے شاید اس جنگ کا یہ پہلو اس کے دیگر تمام پہلوؤں کی نسبت سب سے زیادہ قابل غور و فکر اور لائق تحلیل و تجزیہ ہے۔ مجموعی طور پر ان نتائج و عواقب کا تین پہلوؤں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

الف :۔ عراق میں جنگ کے نتائج و عواقب

ب :۔ ایران میں جنگ کے نتائج و عواقب

ج :۔ بین الاقوامی سطح پہ جنگ کے نتائج و عواقب

ا۔ عراق اور جنگ۔

اس مسلط کردہ جنگ نے سب سے زیادہ عراق کی اقتصادیات کو ضربات و خسارات سے دوچار کیا ہے۔ چار تصفیہ گاہوں (کرکوک، بصرہ، الدورہ، بغداد) جو کہ عراق کی تیل کی برآمدات کے اہم ترین سرچشمے تھے۔ کی تباہی و بربادی نے عراقی حکومت کی اقتصادیات کو سب سے زیادہ چرکے لگائے اور دھچکے پہنچائے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک طرف تو عراقی تیل کی برآمدات ۲½ ملین بیرل روزانہ سے گھٹ کر چھ لاکھ بیرل روزانہ تک آن پہنچی ہیں اور دوسری طرف

خاد الامیہ اور البکر کی تیل کی تنصیبات، کرکوک کے تیل کے کنویں، بانیاس اور جنوب کے گیس کے کنویں کو، جن میں سے ہر ایک سے عراق کی ایندھن کی داخلی ضروریات پوری ہوتی تھیں، سخت نقصان پہنچا۔

عراق کے عظیم ترین کارخانوں میں سے دو کارخانے یعنی کارخانۂ الصناعات الثقیلہ[1] اور کارخانۂ الصناعات الھندسیہ[2] بھی جنگ کے ابتدائی ایام میں اسلامی جمہوریہ ایران کی فضائیہ کے تیز پرواز جہازوں کے حملوں سے تباہ ہو گئے۔ صدام کی حکومت نے جنگ کے پہلے ہی سال میں اپنے مالی عجز اور اقتصادی نثار کے نتیجہ میں اپنے پانچ سالہ منصوبوں پر عملدرآمد روک دیا جس کے نتیجہ میں ہزاروں خارجی متخصصین، مہندسین اور فنی ماہرین جو کہ مختلف منصوبوں پر کام کر رہے تھے، عراق سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس وقت عراق کی تیل کی برآمد سے ہونے والی آمدنی جو کہ جنگ کے آغاز سے پہلے ۲۵ ارب ڈالر سالانہ تھی، اب ۷ر۶ ملین ڈالر تک گھٹ کر رہ گئی ہے۔ جنگی ساز و سامان کی درآمدات میں افزائش نے اس ملک کی مالی مشکلات میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔ مسلط کردہ جنگ عراق کے ایک ارب ڈالر ماہانہ ہڑپ کر رہی ہے۔ گذشتہ سال عراق کی آمدنی ۲ر۴ ارب عراقی دینار تھی جبکہ اسی سال کے دوران صرف اس کے جنگی اخراجات ۸ر۸ ارب عراقی دینار تھے اس وقت عراق میں شرح تورّم (Inflation) میں ۵۰ فیصد کا اضافہ ہو چکا ہے۔ دوسری طرف زرعی پیداوار اور عراقی دینار کی شرح مبادلہ میں کمی نے بھی عراق کی اقتصادی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔

عراق کی غیر ملکی قرضوں کی ادائیگیوں کا اندازہ اس وقت ۵۵ سے ۶۰ ارب ڈالر تک لگایا گیا ہے جس میں سے وہ ۴۰ ارب ڈالر کا تو صرف خلیج فارس کے ممالک خاص طور

---

[1] ہلکی صنعتوں کا کارخانہ جو کہ ریڈیو، ریفریجریٹر، کولر اور گیزر بناتا تھا۔

[2] بھاری صنعتوں کا کارخانہ جس میں گاڑیوں کے پرزے اور مختلف قسم کے موٹروں کے پرزے تیار ہوتے تھے۔

پر سعودی حکومت ہی کا مقروض ہے، اس طرح سے صدام عرب حکومتوں کا ایک ایسا مقروض بن چکا ہے، جس کا بال بال قرضے میں بندھا ہوا ہے اور اب جو اس نے اس جنگ کے دوران قرضوں کی ایک اور گٹھڑی اپنے کندھوں پہ لاد لی ہے وہ اس پہ مستزاد ہے۔

سال رواں میں عراق کا بجٹ ۱۰،۸ ارب ڈالر خسارہ کا بجٹ ہے اور یہ امر اس ملک کے عمومی شعبوں کے بجٹ میں ۵۰ سے ۶۰ فیصد تک کٹوتی کا باعث بنا ہے۔ عراق میں تمام ترقیاتی منصوبے معطل ہو کر رہ گئے ہیں اور سرکاری ملازموں کی تنخواہوں میں بھی کمی کر دی گئی ہے۔

صدام نے غیر ملکی سطح پہ بھاری قرض اور ملا معاوضہ مدد اور ملکی سطح پہ بھاری ٹیکس عائد کر کے کوشش کی ہے کہ خود کو اس تباہ کن اقتصادی دلدل سے نکالے۔

عراقی بینکوں نے گذشتہ سال "قرضہ" کے نام سے "بانڈ" جاری کئے ہیں اور ان کا نام "قادسیۂ صدام کی حمایت" رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک "گدائی نامہ" کی قیمت ۱۰ سے لے کر ۲۵ عراقی دینار تک ہے جو کہ ۵ سے لے کر ۱۰ سال تک کی مدت میں ۹ سے ۱۰ فیصد شرح سود پہ لوگوں کے ہاتھ بیچے گئے ہیں۔

حال ہی میں عالمی بینک نے اعلان کیا ہے کہ عراق کے زر مبادلہ کے ذخائر، جو کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ۲۶ ارب ڈالر پہ مشتمل تھے، اب کم ہو کر صرف ۶ ارب ڈالر رہ گئے ہیں، عالمی منڈیوں میں خصوصاً کویتی تاجروں کے پاس سونے کی مخفیانہ فروخت، غیر ملکوں میں واقع عراقی سفارت خانوں کے اموال و اسباب کی فروخت سرکاری افسروں اور کارکنوں کی تنخواہوں میں تخفیف، غیر ملکوں میں مقیم عراقیوں سے زبردستی مالی مدد حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ کی تجدید و تمدید نہ کرنے دھمکیاں اور اسی قسم کی بیسیوں چیزیں سب کی سب عراقی حکومت کی دیوالیہ اور بیمار اقتصادیات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ عراق کے لئے جنگ کے دیگر ناخوشگوار نتائج میں سے ایک نتیجہ یعنی فوج کا بھاری جانی نقصان اور اس کے اندر بے چینی اور خلفشار کا پیدا ہونا اور اس کے زیر اثر یعنی حکومت کا سیاسی اعتبار سے ڈانواڈول ہو جانا بھی ہے۔ اس

وقت کے اعداد و شمار کے مطابق عراق کی دو لاکھ بیس ہزار فوج کے پچاس ہزار فوجی گرفتار اور اس سے تقریباً دوگنا فوجی قتل یا زخمی یا جنگ کے لئے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ گویا کم و بیش ایک لاکھ پچاس ہزار کے قریب بعثی فوجی مکمل طور پر میدان جنگ سے خارج ہو چکے ہیں۔ اور بعض اطلاعات کی بنا پر مصری، اردنی، سوڈانی اور..... فوجی اور عراقی پولیس کے سپاہی بھی میدان جنگ میں بعثی فوج کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔

عراقی حکومت سردست بعثی فوج میں ماہرین کی کمی کی وجہ سے سخت نالاں ہے اور بعثی فوج کو تربیت دینے اور ان کی تنظیم نو کرنے کے لئے چھ ہزار فرانسیسی فوجی ماہروں اور فنی مشیروں کی عراق روانگی، جس کا خود فرانسیسی ٹیلیویژن نے ۲۸ شہریور ۱۳۶۲ھ ش کو اعتراف کیا، اس حقیقت کی بھرپور تائید کرتی ہے۔

عراق میں اقتصادی بحران کی افزائش اور بعثی حکام کی طرف سے سرکاری ملازمین کو تنخواہوں کی ادائیگی سے معذوری کی وجہ سے بعثی حکومت نے ایک قانون منظور کیا ہے جس کی رو سے جو لوگ اپنی دولت کو عراق سے باہر منتقل کریں گے ان کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد کو بحق وزارت خزانہ ضبط کر کے ان کو حوالۂ زندان کر دیا جائے گا۔

عراقی حکومت کی فرانسیسی حکومت کو قرضوں کی واپسی کے سلسلہ میں معذوری، بعثی اور فرانسیسی حکام کے بغداد و پیرس کے پے در پے دورے اور اسی طرح امریکہ اور انگلستان کی طرف سے عراقی حکومت کے لئے طویل المیعاد قرضوں کی فراہمی، یہ سب باتیں عراق کی اقتصادی ناہمواری اور نااستواری کا پول کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔

۲۔ ایران اور جنگ

یہ مسلط کردہ جنگ، جیسا کہ انقلاب کے قائد اعظم نے فرمایا تھا، ہمارے لئے باعث خیر و برکت ہے کیونکہ اس نے ایک طرف تو ملک کی صنعت و معیشت کو ایک قابل توجہ تحرک بخشا ہے۔ اور دوسری طرف اسلامی جمہوریۂ ایران کو ایک پائدار اور استوار نظام پر برقرار

ملک کی حیثیت سے دنیا سے ہمکنار کیا ہے، داخلی سطح پر مرتب ہونے والے جنگ کے نتائج مختصر طور پر کچھ یوں برآمد ہوئے ہیں۔

ـ صنعت وحرفت کی کمیت و کیفیت کو بہتر بنانے کے لئے متعلقہ لوگوں کی استعداد و اہلیت کی تقویت اور خودکفالت کی منزل تک پہنچنے کے لئے اختراعات واکتشافات کرنے والوں کی تشویق و ترغیب۔

ـ بیکاروں کی تعداد میں ۱۵ فیصد تک کمی جب کہ جنگ سے پہلے اس کا تناسب ۱½ سے ۲ فیصد تک تھا[لہ]

ـ ملک میں صحیح اقتصادی تدابیر اختیار کرنے کے نتیجہ میں تورم (Inflation) کی سرکاری شرح میں کافی کمی ہوگئی ہے اور وہ اب صرف ۱۵/۶ فیصد تک رہ گئی ہے جبکہ عراق میں تورّم کی یہ شرح ۵۰ فیصد تک ہے۔

ـ ایران کے زرمبادلہ کے ذخائر میں تدریجی اضافہ کا میزان ۱۲/۵ ارب ڈالر ہے جو کہ بجائے خود تورم کو کم کرنے کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔

ـ عوام میں شہادت طلبی کے جذبہ کی پیدائش اور تقویت۔

ـ عوام میں وحدت واخوت کے جذبہ کی افزائش اور انقلاب دشمن اور گمراہ گروہوں کی سرکوبی۔

ـ اسلامی جمہوریہ ایران کی فوج اور سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کی عسکری استعداد میں اضافہ۔

ـ جنگ کا پانسہ پلٹنے والی مضبوط ترین قوت کو وجود میں لانے کے لئے لوگوں کی فوجی بھرتی اور ان کی فوجی تربیت کے انتظامات میں توسیع۔

لہ ملک کے اکثر بیکاروں کو مختلف تنظیموں اور انجمنوں یا محاذ جنگ سے پیچھے رہنے والی عظیم فوج میں کھپا دیا گیا ہے۔

۔ جنگ نے ایرانی عوام کو مشکلات و مصائب سے آشنا کیا اور ان کو آرام طلبی، عیش، کوشی اور کاہلی سے چھڑا کر ایک مصمم، انتھک اور اولوالعزم قوم میں تبدیل کر دیا۔

۔ جنگ کے دوران تانبے کی مصنوعات کے کمپلیکس، اصفہان کے دوسرے سٹیل پلانٹ اور فوجی صنعتوں کے کارخانے مختلف تنصیبات نے اپنا کام شروع کر دیا۔

۔ اس مسلط کردہ جنگ کے تحائف میں سے ایک تحفہ اس حقیقت کا اثبات ہے کہ ایران میں اکثر دائیں اور بائیں بازو کی تنظیموں، گروہوں اور دھڑوں نے، ایک دوسرے کے گروہی اور اصولی اختلافات کے باوجود [1] اسلامی جمہوریہ کے نظام اسلام کی ضد میں عیاں یا پنہاں طور پہ اس مسلط کردہ جنگ میں بعثی حکومت کا ساتھ دیا اور اس جنگ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان چھوٹے چھوٹے گروہوں کے چہروں سے مکر و فریب کے نقابوں کو ہٹا کر ان کے اصلی چہروں کو لوگوں پہ ظاہر و آشکار کر دیا حالانکہ ایسی صورت حال جنگ سے پہلے نہ تھی اور جنگ شروع ہونے سے پہلے تک بالکل واضح نہ تھا کہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں ان میں سے بعض گروہ عملی طور پہ اور کھلم کھلا بعثی حکومت کی تائید و حمایت کے لئے لپکیں گے۔

اقوام عالم اور جنگ :۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف عراق کی مسلط کردہ جنگ کے بین الاقوامی سطح پہ بھی بعض نہایت اہم نتائج مترتب ہوئے جس میں سے اہم ترین نتائج کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اس مسلط کردہ جنگ نے ایران کے اقتصادی اور سیاسی استحکام و ثبات کو پوری دنیا پہ ثابت کر دیا جو دنیا کے اکثر ممالک کے ساتھ اسلامی جمہوریہ ایران کے اقتصادی، تجارتی اور سیاسی روابط و تعلقات کی وسعت و گسترش کا اہم ترین سبب بنا۔

۲۔ اس مسلط کردہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ آفاقی استکبار اور استعمار اور اس علاقہ میں ان کے کارکنوں کے تصور و خیال کے برعکس اسلامی جمہوریہ ایران کی افواج انقلاب کے دوران ہرگز

---

[1] (تودہ پارٹی، ڈیموکریٹک پارٹی، منافقین کا گروہ اور ....)

ضعف و اضمحلال کا شکار نہیں ہوئی اور وہ آج بھی اپنے انقلاب کی حفاظت و حراست کے لئے پورے ایمان و ایقان کے ساتھ برقرار اور اپنے وطن عزیز کی تمامیت اور سالمیت ارضی کے دفاع کے لئے پا برجا اور استوار ہے۔ یاد رہے کہ جنگ کے ابتدائی مہینوں کے دوران عراق کی جارح افواج کی پیش قدمی محض بنی صدر اور اس جیسے بعض دیگر استعماری ایجنٹوں کی خیانت و عدم امانت کا نتیجہ تھی۔

۳۔ اس مسلط کردہ جنگ نے ثابت کر دکھایا کہ اسلامی جمہوریۂ ایران اس علاقہ (خلیج فارس اور مشرق وسطیٰ) کی قوی ترین سیاسی قوت ہے اور مشرق وسطیٰ کے امور و مسائل کے بارہ میں جو فیصلہ بھی اس عظیم قوت کو نظر انداز کر کے کیا جائے گا اس کا کوئی بھی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔[1]

۴۔ بعثی افواج کے توسط سے ایرانی شہروں کے رہائشی علاقوں پہ بمباری اور ان رپورٹوں نے، جو غیر ملکی خبر نگاروں اور اقوام متحدہ کے نمائندوں نے ایران کے توسط سے عراق کے سکونتی علاقوں پہ بمباری کے بارہ میں بعثی حکومت کے کذب و افترا پہ مبنی دعوؤں سے متعلق پیش کیں، اسلامی جمہوریۂ ایران کے انسانی چہرے اور اس کے برعکس بعثی حکومت کے درندہ منش اور حیوانی چہرے کی اصلی اور حقیقی تصویر اہل جہان کو دکھا دی۔

۵۔ اس مسلط کردہ جنگ نے تیل برآمد کرنے والے ملکوں کی تنظیم (اوپیک) پہ ثابت کر دیا کہ اگر تیل کی قیمتوں میں یا عالمی منڈیوں میں تیل کی طلب میں کمی واقع نہ ہو تو محض جنگ اسلامی جمہوریۂ ایران کی تیل کی برآمدات کے حجم کو کم کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی جیسا کہ عراق کے معاملہ میں اوپک کا تجربہ اس کے بالکل برعکس رہا ہے۔

یاد رہے کہ اس وقت عراق کی تیل کی برآمد چھ لاکھ بیرل سے زیادہ نہیں رہ گئی اور اس مقدار میں بھی زیادہ تر مقدار عراق کی طرف سے سعودی عرب کی تصفیہ گاہوں سے برآمد کی جاتی۔

---

[1] "جیسے خلیج فارس کے ممالک کی تعاون و ہمکاری کی تنظیم اور مسئلۂ افغانستان کے حل کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے اجلاسوں کے فیصلے اور ....."

۶۔ اس مسلط کردہ جنگ نے ایران کے دوست اور دشمن ملکوں کو عملی طور پہ ایک دوسرے سے ممیز و ممتاز کر دیا اس جنگ کے دوران اچھی طرح سے واضح ہو گیا کہ کون سے ممالک پریشان حالی و درماندگی میں دوست کی دستگیری کرتے ہیں اور کون سے ملک اس کے برعکس بحرانی حالت میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس دوران میں بین الاقوامی میدان میں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کی طرف سے سیاسی آمدورفت میں افزائش یا کاہش اور اقتصادی و تجارتی لین دین میں کمی بیشی نے ان کی دوستی و دشمنی کو بخوبی ظاہر و آشکار کر دیا۔

۷۔ جنگ کے اہم نتائج میں سے ایک اہم ترین نتیجہ عراق کی بعثی حکومت کی طرف سے بیت المقدس کی غاصب حکومت کی طرفداری کا راز فاش ہونے کی صورت میں برآمد ہوا، صدام اور بلند پایہ بعثی حکام نے دوران جنگ یا امریکی حکام کے ساتھ ملاقات یا پریس کانفرنسوں اور بیانات کے دوران اس صیہونی حکومت کو تسلیم کرنے کی اہمیت پہ مسلسل زور دیا[۵۱] حالانکہ بعثی حکام کی اسرائیلی حکام کے ساتھ ہم بستگی اور اور بہم پیوستگی جنگ شروع ہونے سے پہلے تک دنیا کے اکثر سیاسی حلقوں سے پوشیدہ و پنہاں تھی۔

۸۔ جنگ کے قابل توجہ نتائج میں سے ایک نتیجہ صدام کے چہرہ سے نقاب ہٹنے کی صورت میں برآمد ہوا جو خود کو فلسطینی عوام کی ملی اور قومی امنگوں اور آرزوؤں کا نقیب و ترجمان ظاہر کرتا تھا۔ صدام کی کوششوں نے جو اس نے مصر کو کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے زیر اثر سیاسی گوشہ نشینی اور علیحدگی سے بچانے کے لئے انجام دیں، اس کے چہرہ کو اور بھی زیادہ بے نقاب کر دیا۔

یاد رہے کہ عراق ان ملکوں میں سے ایک تھا جنہوں نے کیمپ ڈیوڈ جیسے غلامانہ معاہدہ پہ اس کی سخت مذمت کی اور بظاہر سادات حکومت کے ساتھ اپنے سفارتی روابط بھی منقطع کر

۵۱۔ مثال کے طور پہ ۶۱ھ ش میں عراق کا دورہ کرنے والے امریکی وفد کے قائد "سٹیون سلرز" کے ساتھ ملاقات کے دوران صدام کے بیانات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جن میں اس نے واضح طور پہ عرب ممالک کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

لینے لیکن جنگ شروع ہونے کے بعد صدام کی حکومت نے، جو کہ عرب ممالک کی تائید وحمایت کی محتاج تھی کوشش کی کہ مصرو اسرائیل روابط کی توجیہ و توضیح کر کے ایک طرف قاہرہ کے ساتھ اپنے روابط کو بہتر بنائے اور دوسری طرف بعض جنگی اہمیت کے مفادات حاصل کرنے کے اسرائیل کی ہمدردیاں حاصل کرے، العبثی حکام کے بار بار کے قاہرہ کے دورے بیت المقدس کی غاصبانہ حکومت کے ساتھ روابط و تعلقات کے ضمن میں ان کے واضح اور کھلم کھلا بیانات اور اسی طرح امریکہ کے ساتھ روابط کی بحالی کا پر جوش استقبال ایسے عوامل تھے جنہوں نے ایک تدریجاً مصر کو غیر ملکی سطح پر سیاسی گوشہ نشینی سے نجات دلا دی اور دوسری طرف تمام جانبدار عرب ممالک کی امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ روابط و تعلقات کو برقرار واستوار کرنے کے سلسلہ میں حوصلہ افزائی کی۔

۹۔ اس مسلط کردہ جنگ کے دوران لوگ اچھی طرح سے سمجھ گئے کہ "نہ شرقی و نہ غربی" کا نعرہ ایران کے مسلمان عوام کے اسلامی تفکر کی پختہ اساس اور مضبوط عقیدہ کی بنیاد پہ قائم ہے۔ یہ شعار دوران جنگ بھی بخوبی تحقیق پذیر ہو گیا جب جس طرح امریکی سفارتخانہ یا جاسوسوں کے آشیانہ کے اراکین جاسوسی کے الزام میں اسلامی جمہوریہ ایران کی خاک پاک سے نکال دیئے گئے اسی طرح روس کے نام نہاد سفارتخانہ کے اٹھارہ افراد بھی جاسوسی اور دوران جنگ تودہ پارٹی کے خیانت کار اور غدار عناصر کے ساتھ تعاون و ہمکاری کے جرم میں اسلامی جمہوریہ ایران سے ملک بدر کر دیئے گئے اور یہ کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ارباب بست و کشاد ان دونوں شیطانی طاقتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور دونوں کو اس مسلط کردہ جنگ میں یکساں طور پہ قصور وار سمجھتے ہیں۔

اس سلسلۂ گفتار کے آخر میں ایک بنیادی حقیقت کی طرف جس سے اس مسلط کردہ جنگ کا اہم ترین سبق سیکھا جا سکتا ہے، اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ بنیادی حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران پہ عراق کی ٹھونسی ہوئی اس چار سالہ جنگ نے مادی اور جسمانی اسلحہ پہ

ایمان و اتقان اور روحانی اسلحہ کی برتری اور بالادستی کو ثابت کرنے کا بہترین موقعہ فراہم کیا ہے۔
اس مسلط کردہ جنگ کے دوران بخوبی ثابت ہوگیا کہ بے شک کوئی سیاسی نظام خود کو پیچیدہ ترین اور ہلاکت خیز ترین اسلحہ سے مسلح کرنے لیکن اس کے ساتھ وہ سرمایۂ معنوی یعنی خدائے یکتا اور اعلیٰ انسانی اقدار سے عاری ہو۔ یقیناً اور بلا شک وشبہ میدان کارزار میں شکست وہزیمت سے دوچار ہوکر رہے گا۔ یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کو اسلامی ملک ایران کے خدا پرست، شہادت طلب اور عظیم مجاہدوں نے جنگ کے خونبار اور متلاطم تھپیڑوں کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت عملی طور پہ پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا یہ وہی قابل قدر عطیۂ خداوندی ہے جو کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی وکامرانی کا بنیادی عامل شمار ہوتا ہے اور یقیناً وہی پہ ورزش سرمایہ ہے جس کی بدولت آخر کار ایران جنگ میں جس کو استبداد و استعمار کے سیاہ رو اور بھیانک عفریت نے دنیائے اسلام کے اس خطہ پہ مسلط کر دیا ہے، کامیاب وکامران ہونے کے بعد نظام اسلام کو سربلند وسرافراز کرے گا اور اس مشعل فروزاں جو معاصر دنیائے بشریت کے تاریک اور پر نشیب وفراز راستے میں روشن کی گئی ہے، کہ شعلہ کو بدستور تابندہ رکھے گا۔

IRAN

ایران

IRAQ

عراق

عراق سے واپس لیے گئے علاقہ جات (مغربی اور جنوبی محاذ)

آپریشن کوڈ	تاریخ	رقبہ	قیدی
اثامن الائمہ (ع)	27.09.81	150 مربع کلومیٹر	1,800
طریق القدس	29.11.81	650 "	546
مطلع الفجر	11.12.81	160 "	200
فتح المبین	22.03.82	2400 "	15,450
بیت المقدس	30.04.82	5380 "	19,000
رمضان المبارک	13.07.82	80 "	1,110
مسلم ابن عقیل (ع)	01.10.82	150 "	170
محرم الحرام	30.10.82	580 "	3,500

چھوٹا حملہ

وہ علاقے جہاں پر عراقی افواج پسپا ہو گئی ہیں۔

وہ علاقے جو ابھی تک عراقی افواج کے قبضہ میں ہیں۔

عراق کے وہ علاقے جو ایرانی افواج کے قبضہ میں ہیں۔

were laid up blind folded in a relatively dark room, and were later visited by reporters.

One of the patients, Mohammad Reza Nasr Isfahani, in an interview said to the reporters of IRNA: "Around 16:30 hours sixteen Iraqi bombers dropped about eight chemical bombs each on an area between the Shiler river and Kani Manga heights and Lary mountain range. The bombs falling slowly, we were able to count them and could tell by their distinct smell that they were chemical bombs, In a few hours we felt no adverse effect. But about 20:00 hours our eyes started burning, and most of us were nauseated. The doctors at the emergency centers gave us eye-baths and some shots for our nausea, but aorund 01:00 hours almost every body were suffering from itching, burning eyes, nausea, and some had diarrhea. We were later transferred to Tehran, and have been under treatment ever since."

The first symptoms of contamination were blurred vision, and drastic reduction of eye-sight to an extent that the victims had difficulty counting their fingers from a short distance. The victims of this attack, who were over seventy, all suffered from severe eye irritation and the mucuous membrance of their eyes, as well as their corneas were badly inflamed. Other symptoms were intense lachrymation, severe pain in the eyes, fear of hight, nusea and dizziness.

The bombs affected people within a radius of one kilometre, and those who were closer to the explosion center were affected with suffocation and skin irritation. Some became colour-blind, being only capable to distinguish black and white colours from a close distance. All those who suffered from the latter symptoms

Nov. 1st, 1983
Ref. No. 8337

Martyr Beheshti University
Admission report to Loqman od-doleh hospital of the injured of chemical bombs

Some eleven Basij, IRGC and army personnel are being treated at the emergency and dermatological wards of this hospital for injuries caused by toxic chemicals.

The contamination occured Oct. 22, 1983, somewhere along Marivan-Quch-Soltan axis as follows. At about 21:30 hours, following the explosion of an Iraqi artillery shell, a thick smoke envelopes the area, and gradually a smell like that of kerosine pervades the air. The next morning the men listed above were afflicted with nausea, vomitting, lachrymation and burning of eyes, blurred vision, itching, suffocation, coughing, loss of appetite. When they were examined at this medical center, skin damages were observed on their bodies in the form of blisters, discolouration and cyanosis particularly on the wrinkled parts of their skin. At the moment medical examinations and required tests are being carried out on them as part of their overall treatment.

Dr. Mahmoud Laleh
Head of Loqman od-doleh hospital

chemical agents carried by air, were afflicted with a variety of symptoms, such as inflamed and tear-flowing eys, blurred vision, itching, suffocation, coughing, and loss of appetite. The wrinkled areas of the victims' skin were discoloured and darkened.

Of the injured, eleven who were hospitalised at Loqman od-doleh hospital, were visited by the foreign reporters. According to the physicians of Loqman od-doleh, the gas which affected the victims, was called nitrogen mustard. Yet probably due to different atmospheric conditions, the type and degree of the injuries were a little different from those caused by previous chemical bombs which the Iraqis deployed in Haj-Omran area.

between the Shiler river and Lary heights.

Following victories of the Islamic combatants, in Val Fajr-4 offensive, Iraqis deployed various kinds of chemical weapons, in several areas. The following is a summary report on major episode of Iraqi chemical warfare against the Islamic Republic of Iran.

Among the regular artillery rounds fired by the Iraqi forces at the Iranian positions, three kms north of Panjvin, around 2130 hours there landed certain projectiles which upon explosion emitted a pall of dense smoke, along with a recking odour of kerosine. The next day, all those who had been contaminated by the noxious

In the Name of God, the Compassionate, the Merciful

A REPORT OF DEPLOYMENT OF CHEMICAL WEAPONS BY IRAQ, IN MILITARY AND CIVILIAN AREAS OF IRAN.

In the wake of the outstanding victories scored by the Islamic combatnts in the Val Fajr-4 offensive, which secured high military and political advantages, Iraqi regime resorted to large-scale chemical bombings, in the theatre of Val Fajr-4 operation.

In flagrant violation of United Nations General Assembly Resolution B (21) 2162, December 5, 1966, and Geneva Protocol of June 27, 1925, outlawing deployment of chemical weapons, the Iraqi regime delivering noxious agents by artillery shells and aerial bombs inflicted heavy casualties to the armed forces of the Islamic Republic of Iran.

Not sufficing only to this, and as though encouraged by the silence of the international organisations, the regime of Iraq took to enlarging the domain of its crimes, by dropping chemical bombs, on Oct. 25, 1983, on the village of Bayanjan, martyring nine and severely injuring tens of the villagers. Again, on Nov. 7, 1983, a number of Islamic combatants and relief workers fell victims to the Iraqi chemical bombs in an area

relation to her employing chem weapons against Iran."(9) •

A FUTILE ATTEMPT TO ESCAPE A GREAT DISGRACE

In spite of all these incontrovertible evidences which leave no doubt as to Iraq's use of chemical warfare, the Iraqi rulers in a vain bid to cover up their crimes, denied using any chemical weapons. (10) Whereas, besides purchasing chemical hardware from foreign countries, Iraq possesses, as it has been stated by her military and diplomatic sources, three chemical weapon manufacturing plants. (11)

The criminal acts of Baghdad regime were so flagrant that this time, Iraq's denial were not taken seriously even by those media which have usually come out in full support of that regime.

---

9) U.N. AFP March 10, '84

10) Baghdad, AP. March 2, '84

11) "...But in the early 1970s, the sources said, Iraq began making mustard gas for offensive weapons, accelerating production after the war with Iran began." Washington Post, March 7, '84

Also the British paper, "Daily Telegraph", quoting the same sources wrote in its March 8, 1984 issue, "...Iraq is understood to have three plants producing poison gas. American specialists said Iraq used mustard gas..."

Furthermore the British daily Financial Times quoting the informal sources wrote, "Iraq has a poison gas manufacturing plant 140 miles from Baghdad."

TABLE OF CHEMICAL ATTACKS CARRIED OUT BY THE IRAQI ARMY AGAINST CIVILIAN AND MILITARY TARGETS IN IRAN

	date of attack	location	no. of deployment	type of toxic agent	mode of delivery	casualties and fatalities	remarks
1	early in war	Shalamche	1	nerve gas	unknown	unspecified	victims suffering from dizziness
2	early in war	Meymak	1		unknown	unspecified	
3	Dec. 28, '80	area between Helaleh and Neikhazar	1		artillery shell	7-10 combatants martyred	
4	early in 1981	Hoveizeh	1	nerve gas	mortar	1 injured	victims suffering from intense nausea
5	Jun. 3, '81	Allah-o Akbar heights	1	nerve gas	artillery shell	unspecified	victims suffering from eye irritation and chest pain
6	Jun. 22, '81	Naderi Beridge	1	nerve gas	mortar	unspecified	
7	Nov. 20, '81	Khorramshahr	1	nerve gas	artillery	unspecified	
8	Sep. 29, '82	Abadan	1	nerve gas		unspecified	
9	Oct. 22, '82	Savaji	1	nerve gas	artillery	unspecified	
10	Oct. 27, '82	Musian	1	nerve gas	artillery shell	4 combatants martyred 16 affected	
11	late Oct, '82	Height 175	1	mustard gas	mortar	unspecified	
12	late Oct. '82	Height 175	2	nerve gas	artillery shell	9 combatnts martyred	those contaminated are suffering eye irritation
13	Dec. 19, '82	Tangab	1		artillery shell	several combatants poisoned	
14	Nov. 21, '82	north of Shalamche	1		mortar	unspecified	
15	Jan. 1, '82	Bayveh pass	1		artillery shell	5 combatants feel suffocated	
16	Jan. 25, '82	Kurdestan	1		artillery shell	a large number of combatants posisoned	victims feel suffocation, eye irritation, toxic agent smelt like alcohol
17	Feb. 8, '82	Sharhani	1		artillery shell	unspecified	those affected have severe nausea, eye irritation
18	Feb. 24, '82	north of Shalamche	1		artillery shell	unspecified	victims complain of painful throat and nose
19	Mar. 23, '83	Fakkeh	1		mortar	unspecified	victims suffering from nausea
20	Mar. 26, '83	near Moslem Neqabi base	1	n.	mortar	unspecified	victims severlypoisoned, fell nauseated
21	Mar. 29, '83	Sumar	1		artillery shell	4 combatants affected	victims feel dizzy
22	Apr. 8, '83	Sumar	1		artillery shell	several combatants injured	victims feel nauseated
23	Jun. 11, '83	by the Dovizaj river	1		srtillery shell	several combatants	victims feel suffocation and dizzyness
24	Aug. 8, '83	Tamarchin	1	nauseative gas	aerial bomb	unspecified	the bombs dropped emitted nauseative gas
25	Aug. 8, '83	Shiverash	1	vesicant gas	aerial bomb	24 combatants injured	large blisters on victims who felt nauseated
26	Aug. 8, '83	Haj-Omran	1	vesicant gas	aerial bomb	unspecified	victims feeling dizzy and nauseated
27	Aug. 9, '83	Piranshahr	1		aerial bomb	10 people injured	victims feeling dizzy and nauseated
28	Aug. 9, '83	Tamarchin	2	mustard gas	aerial bomb	39 combatnts injured	
29	Aug. 9, '83	near Piranshahr	1		aerial bomb	2 combatants martyred, 118 injured	victims' eyes affected
30	Aug. 14, '83	Qamtareh heights	1	vesicant	artillery shell	2 martyred, 200 injured	victims affected in the eyes, feet, testis
31	Aug. 15, '83	Savaji	1		artillery shell	unspecified	
32	Aug. 29, '83	Sardasht	1		artillery shell	unspecified	
33	Sept. 2, '83	Sumar	1		artillery shell	unspecified	
34	Sept. 24, '83	Bazi-deraz heights	1		artillery shell	4 injured	victims suffering from dizziness and nausea
35	Oct. 21, '83	Kharratha	1		artillery shell	unspecified	victims feeling dizzy
36	Oct. 25, '83	Marivan	1		mortar	unspecified	
37	Oct. 25, '83	Sardasht	1		artillery shell	3 combatants injured	enemy fired 84 rounds, victims suffering from nausea and severe chest pain
38	Oct. 25, '83	Seyyed-lu village	1		artillery shell	unspecified	most of the villagers suffered from temporary loss of vision
39	Oct. 26, '83	Sardush	1		artillery shell	unspecified	enemy fired ten rounds
40	Oct. 27, '83	Bayanjan village	1	vesicant gas	aerial bomb	30 villagers injured	victims suffering from pulmonary damages some have been blinded
41	Oct. 30, '83	Baneh	1			8	villagers have been blinded
42	Nov. 1, '83	near Marivan	1		artillery shell	16 combatants injured	victims suffering suffocation and large blisters on their skin
43	Nov. 3, '83	Bayanjan	3	vesicant gas		unspecified	victims have been blinded
44	Nov. 13, '83	Garmab	1	unknown	aerial bomb	40 combatants injured	victims suffering from dizzyness nausea
45	Nov. 13, '83	Panjvin	1	nerve gas		17 combatants martyred, 60 injured	victims suffering from temporary loss of vision, painful throat, cough, severe itch
46	Nov. 25, '83	Paveh	1		artillery shell	unspecified	
47	Dec. 29, '83	Pier 12 Abadan	1		mortar	1 injured	an area within a radius of 500 meters contaminated, the injured suffering sunning eyes and nose
48	Jan. 5, '84	Husseiniyeh	1			1 injured	victim suffering from suffocation
49	Feb. 14, '84	Arvand River bank	1		artillery shell	-----	
50	Feb. 27, '84	Al-Ozair, west of Hur al-Hoveizeh	many	mustard & mycotoxin gas	aerial bomb	1100 combatants injured	victims suffering from impared vision, severe irritation, blisters, extensive burns, nausea, headache and dizziness.

a fact finding committee to investigate the matter. while there is sufficient evidence, to prove complicity of England in supplying Iraq with chemical hardware. One such evidence was discovery of toxic chemicals in an Iraqi ship docked in the port of Normandy, which ship had loaded at Liverpool and was bound for Iraq via Kuwait.

In this connection, the Labour Party representative in the Parliament, Tony Bankes, speaking to a group of reporters, described the British government's providing of chemical weapons to Iraq as *"a disgraceful transaction."*(7)

The American daily, Washington Post, in its March 8, '84 issue, in connection with Iraq's use of chemical warfare wrote: *"The western reporters who were taken to the battle fields in which the Iranian and Iraqi forces had clashed, noticed that the bodies of the Iranians left in the scene did not bear any trace of bullet or other type of wounds, but that they had apparently died of bleeding from their ears and noses...Some unknown substance might have knocked them unconscious and caused the internal bleeding. And a diplomat was wondering why there were no such symptoms as blisters, which are commonly associated with mustard gas, evident on the bodies of the Iranians...The mustard gas being noxious, irritates skin, lungs and the eyes, while, this other is in liquid form, causing severe wounds, and if comes in contact with any portion of the skin, totally destroys that part."*

The enormity of crimes committed by the Iraqi regime this time reached an extent at which even Javier Perez de Cuellar, the U.N. Secrerary General no longer capable of ignoring it, had to severely condemn the use of chemical weapons. (8)

Meanwhile, a U.N. spokesman announced: *"The Organisation will delegate a commission to visit Tehran in order to investigate the charges brought against Iraq in*

---

7) London, Reuter.

8) U.N. AP. March 8, '84

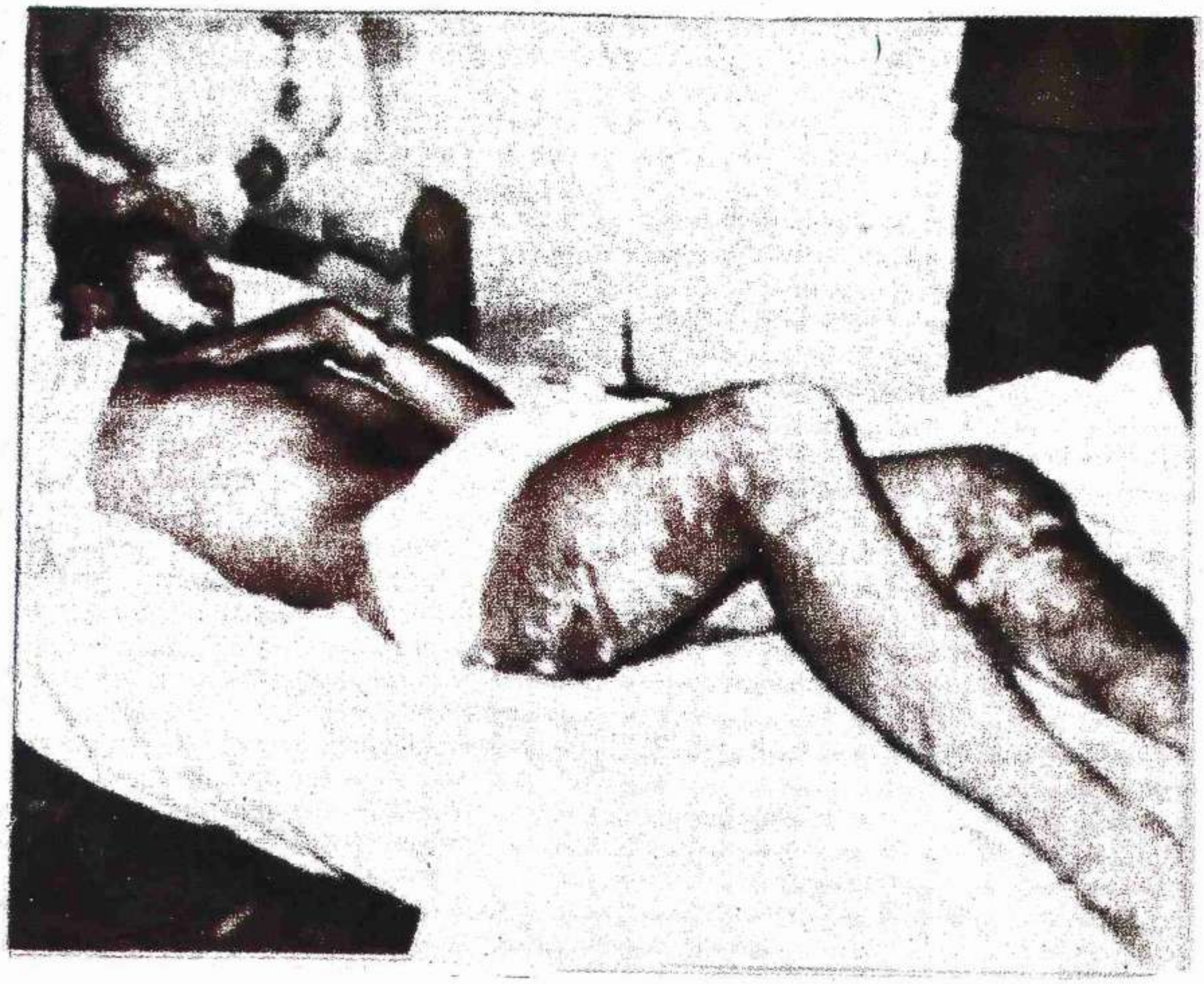

Iranian forces was so extensive that even the U.S. was compelled to censure the Baghdad regime for it. In its March 9, '84 issue, the American daily, New York Times, quoting informed sources, wrote: *"There are sufficient evidence available to the Reagan Administration to prove the recent charges brought against Iraq that she had used chemical weapons against Iran."*

Britain which was herself accused of selling chemical weapons to Iraq, nonetheless declared that she would closely investigate Iraq's use of chemical weapons.

French cabinet spokesman Max Gallo, condemning use of chemical weapons, called for signing an international agreement, banning the use of chemical warfare. (6)

Sir. Geoffrey Howe, the foreign secretary of Britain expressed support of his government of delegating

---

6) Pugwash Conference in its meeting in Geneva, on Feb. 14, 1984, declaring that some 13countries, including Iraq, had used chemical weapons, also said that the French government had provided Iraq with chemical weapons.

in white blood corpuscles." (3)

In a radio interview Dr. Herbert Mandel, head of the CCU ward of Akaha hospital in Vienna announced that *"According to analyses conducted in the toxicological laboratory of the city of Ghent, Belgium, the Iranian soldiers had been exposed to a toxic chemical called mycotoxin, differently known as yellow-rain or mustard gas. The subsequent tests have corroborated this prognosis." (4)*

The use of noxious gases has also been comfirmed by the medical committee of the International Red Cross Organisation which visited the victims in Tehran hospitals. In its statement the Red Cross Committee declared: *"The nature of injuries and symptoms examined on those visited in Tehran hospitals indicate that the said injuries have been caused by certain compounds the production of which has been banned by international laws."*

Says Herbert Benzer head of intensive care ward of the second surgical clinic of Vienna:

"The symptoms the patients show are very similar to those registered in soldiers during World War I when mustard gas was used." (5)

---

3) Nicosia, AP. March 5, '84

4) Vienna, AP. March 10, '84

5) Vienna, Reuter March 6, '84

Some fifteen of those who had suffered more intensive injuries were flown to hospitals in Sweden and Austria. Dr. Hamid Sohrab-pur the head of Labbafi-Nejad hospital of Tehran which has admitted 200 combatants injured in Iraqi chemical attacks, has submitted the following report:

The latest Iraqi use of chemical weapons against the

suffering from a wide spectrum of symptoms, were transferred to hospitals in Tehran. The injuries ranged from nausea and dizziness to severe skin lesions and enormous blisters; from partial or total lack of vision to sore throat and asphyxiation.

A GLOBAL DISGRACE

The Austrian doctors treating ten injured combatants, have identified the cause of the injuries as chemical gases of various descriptions.

Doctor Ernest Wolner, head of the second surgical clinic of the public hospital says:

"Eight of the patients are suffering from superficial acid burns of the skin. Two others are under intensive care with lesions of inner organs as well, including a drop

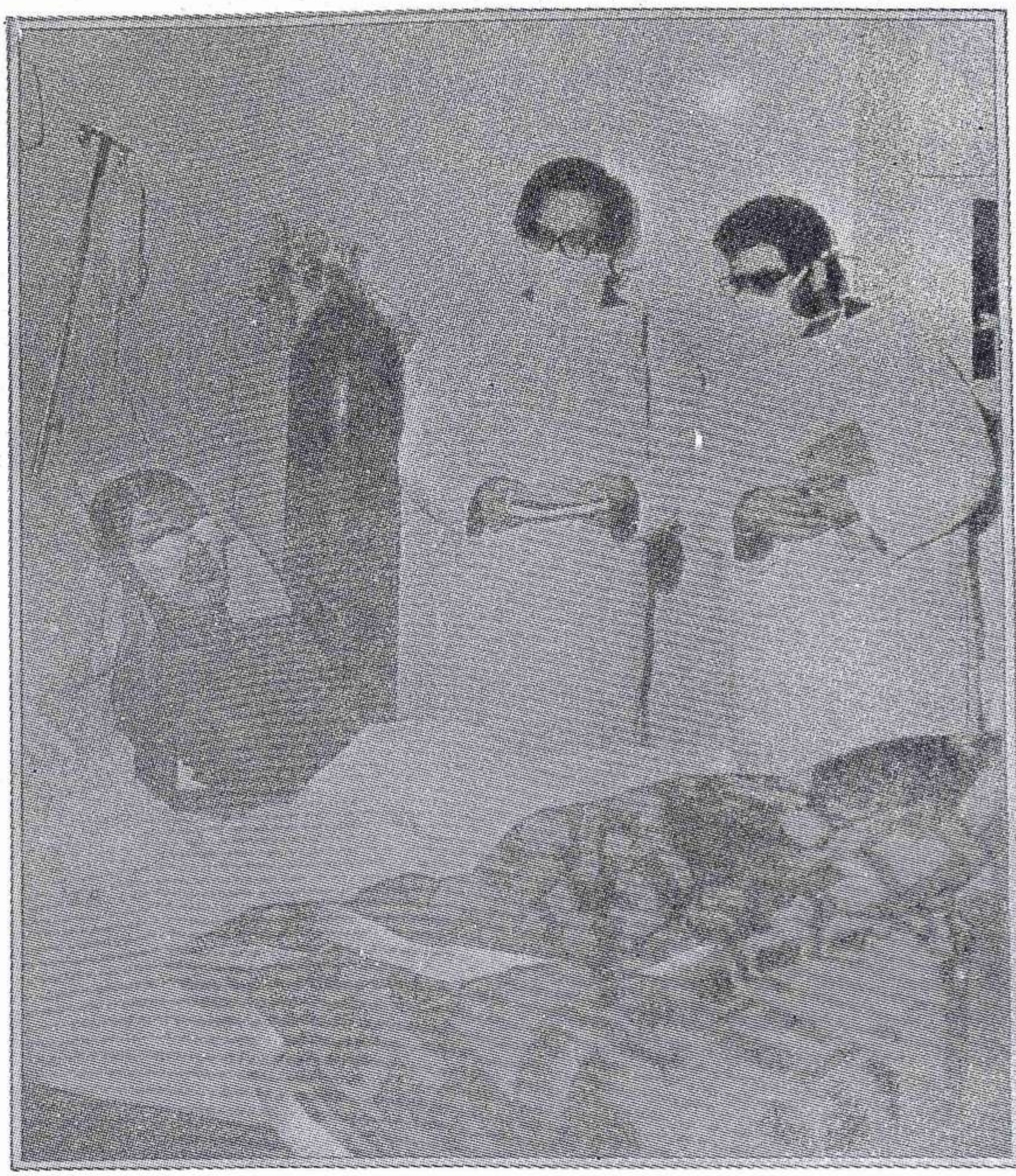

we noticed some black stuff which has settled on our equipment. All of a sudden we found our weapons and whatever else was out in the open, covered with a thin dark layer; and this happened in a very extensive area.

"our nostrils started burning and itching, which was followed with breathlessness and suffocation. Within six hours from the exposure of such other symptoms like blurred, irritated eyes, and a painful sensation on sensitive parts of the body appeared on most of us."

Thirty percent of those affected, who were

In The Name of the Most High

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Muhammad Hussain Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kalej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

USE OF CHEMICAL WARFARE BY THE IRAQI FORCES

The Iraqi forces for the fiftieth time throughout the imposed war, on Feb. 27, 1984 employed chemical weapons against the Iranian forces. This latest attack which was launched on a far more massive scale, compared to previous ones (1), disabled over 1,100 combatants of Islam in Hur al-Hoveizeh operational theatre (2).

One of the victims of the attack, Ali-Akbar Fameely, from the Basij popular forces, speaking to a group of foreign journalists in Labbafi-Nejad hospital, Tehran, described the Iraqi attack thus:

"It was Monday morning Feb. 27, 1984 when shortly after we heard some Iraqi planes flying overhead,

---

1) Table 1 shows the Iraqi chemical attacks from the outset of the war to Feb. 27, 1984.

2) The areas targeted by Iraqi chemical weapons have been indicated in the included map.

IRAN
Iraq
CHEMICAL ATTACKS
BY THE IRAQI ARMY
AGAINST
CIVILIAN AND MILITARY
TARGETS IN IRAN

IMPOSED WAR

AN INAUSPICIOUS

GIFT OF EVIL FORCES